اصلاحی تقریریں

عمل پر ابھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد سوم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مرتب:
مولانا اعجاز احمد صمدانی
مولانا محمد ناصر اشرف

بیت العلوم
۲۰، نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور۔ فون: [illegible]

﴿پیش لفظ﴾

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ یہ تحسین اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے تین درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور "بیت العلوم" کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کردے۔

واللہ المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگاہ "دارالعلوم کراچی" کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقع پر پر اثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجال کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہو جائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت و طریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ "بیت العلوم" کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان

اصلاحی، پر اثر اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام "اصلاحی تقریریں" کے نام سے شائع کر رہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول و دوم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد سوم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط و ترتیب میں مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے میری معاونت فرمائی ہے۔ اس میں حتی الوسع ضبط و ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات و احادیث کی تخریج بھی کر دی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ "بیت العلوم" کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحت عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔

آمین

والسلام

محمد ناظم اشرف

مدیر "بیت العلوم"

﴿فہرست﴾

	﴿صدقے کی آسان قسمیں﴾	

موجودہ فتنے اور اُن کا حل

موضوع: موجودہ فتنے اور ان کا حل

بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿موجودہ فتنے اور ان کا حل﴾

خطبہ مسنونہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و مولانا محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللہ تعالٰی علیہ و علٰی آلہ و صحبہ اجمعین وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! پچھلے چار ہفتے میرے طویل سفر میں گذر گئے[1]۔ طویل غیر حاضری کے بعد حاضر ہوا ہوں۔ اس وقت دل میں یہ تقاضا پیدا ہوا کہ قرآن و سنت نے موجودہ حالات اور فتنوں کا جو حل بتایا ہے وہ آپ کے سامنے پیش کروں۔

---

[1] حضرت مدظلہم کا یہ سفر اٹھائیس دنوں پر مشتمل تھا جو کہ کئی ممالک مثلاً امریکہ، جرمنی، فرانس، اٹلی وغیرہ پر مشتمل تھا۔ م

یہ فتنوں کا دور ہے

یہ آخری دور ہے۔ اس میں فتنوں کی بھرمار ہے۔ ہر قسم کے فتنے موجود ہیں۔ اور یہ وہ فتنے ہیں جن کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما رکھی ہے۔ لہٰذا وہ مسلمان جنہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا کچھ علم ہے، ان کے لیے یہ فتنے اچنبھے نہیں ہیں۔

ان فتنوں کا آغاز کب ہوا؟

ان فتنوں کا آغاز تو آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور سے شروع ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ فتنے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ہمارا دور آ گیا۔ یہ دور زبردست فتنوں کا دور ہے۔ موجودہ دور میں موجود فتنوں کی خبر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تفصیل سے دے رکھی ہے۔ آپ نے بتلا دیا تھا کہ کیا کیا ہونے والا ہے۔ وہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

موجودہ فتنوں کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "قتل پھیل جائے گا اور نہ مقتول کو پتہ چلے گا کہ مجھے کیوں قتل کیا گیا اور نہ قاتل کو معلوم ہوگا کہ اس نے کیوں قتل کیا"۔ کثرت سے قتل ہونے لگے گا، وہ ہو رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ زنا کی کثرت ہو جائے گی۔ آج زنا دنیا میں پھیل رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سود کا کاروبار اتنا پھیل جائے گا کہ اگر کوئی مومن سود سے بچنا چاہے گا تو سود سے تو بچ جائے گا لیکن اسکے دھوئیں سے نہیں بچ

لگے گا۔ یعنی اس کی بے برکتی اور نحوست سے جسم بیچ سکنے لگے گا۔ وہ بھی ہو رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں عورتیں اس طرح کپڑے پہنیں گی کہ پہننے کے باوجود ننگی رہیں گی۔ یعنی کپڑے یا تو اتنے چست ہوں گے کہ ان کے بدن کے نشیب و فراز محسوس ہوں گے یا اتنے باریک ہوں گے کہ اندر سے بدن جھلکے گا۔ یہ بھی ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ فسق و فجور پھیل جائے گا، وہ بھی پھیل رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں میں اختلافات اتنے پھیل جائیں گے کہ ہر شخص اپنی رائے پر گھمنڈ کرے گا، دوسرے کی رائے کی طرف توجہ نہیں دے گا۔ حق بات کی طرف دھیان کم ہوگا، اپنی رائے کی پچ، اپنی رائے پر جمود ہوگا۔ یہ بھی ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے یہ اختلافات پھیلے ہوئے ہیں۔ ورنہ یہ اختلافات کافی عرصہ پہلے ختم ہو جاتے۔ دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا۔ جب ہر شخص متکبر بن جائے اور اپنی رائے کو صحیح سمجھنے لگے اور کہے کہ میری ہی رائے درست ہے تو وہ کسی اور کے ساتھ اتحاد نہیں کر سکتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت کے اختلافات عروج پر پہنچ جائیں گے۔ آج امت کے اختلافات بھی زوروں پر ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ گانا بجانا عام ہو جائے گا، یہ بھی ہو رہا ہے۔ آج کل کانوں کو گانے بجانے والوں اور گانے بجانے والیوں سے بچانا آسان کام نہیں رہا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ بدعات کی کثرت ہوگی وہ ہو گئی ہے۔[1]

ان فتنوں کی کیفیت

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ فتنے سمندر کی موجوں کی طرح ہوں گے۔

---

[1] ان ساری بدعات کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے: الاشاعۃ لاشراط الساعۃ ص ۱۹۸

سمندر کی موجوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ایک موج آتی ہے، وہ ابھی ختم نہیں ہو پاتی کہ ایک بڑی موج اس کے اوپر آجاتی ہے اور یہ موجیں پے در پے ہوتی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ فتنے ایسے ہوں گے کہ بعض فتنے دوسرے فتنوں کو چھوٹا کر دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک فتنہ آئے گا، لوگ سمجھیں گے کہ بہت بڑا فتنہ ہے، بلاشبہ وہ بڑا فتنہ ہوگا لیکن ابھی وہ ختم نہ ہونے پائے گا کہ اس سے بڑا فتنہ ظاہر ہو جائے گا۔ اور اس نئے فتنے کے مقابلے میں پہلا فتنہ چھوٹا معلوم ہوگا۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ ایک فتنہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا شروع ہو جاتا ہے، دوسرا ختم نہیں ہوتا کہ تیسرا آ جاتا ہے اور ہر نئے فتنے کے مقابلے میں پچھلا فتنہ چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔

فتنوں کا ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے

اس کے علاوہ فتنوں کا ایک دور شروع ہونے والا ہے اور وہ دور قریب آ گیا ہے، یہ دجال کے فتنوں کا دور ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس سے بڑا کوئی فتنہ نہیں آئے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتنہ بھی اب زیادہ دور نہیں رہا اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنے کے نمودار ہونے سے پہلے آنے والی جو علامات قیامت اور اس فتنے کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، وہ ظاہر ہو چکی ہیں، اور اس سے پہلے جو واقعات پیش آنے والے تھے، وہ سارے پیش آ چکے ہیں۔

امام مہدی کے ظہور کا انتظار ہے

صرف ایک علامت باقی ہے وہ ہے امام مہدی کا ظہور۔ اب صرف امام مہدی کے ظہور کا انتظار ہے۔ ان کے ظہور سے پہلے جتنے واقعات پیش آنے تھے، وہ

سب پیش آ چکے ہیں۔ اب کوئی علامت ایسی نہیں رہی کہ جو امام مہدی کے آنے سے پہلے ظاہر ہونی تھی اور وہ ظاہر نہ ہوئی ہو۔ لہٰذا امام مہدی کا ظہور آج بھی ہو سکتا ہے، کل بھی ہو سکتا ہے اور اس میں سو سال بھی لگ سکتے ہیں۔

دنیا کی عمر

سو سال کا عرصہ دنیا کی عمر کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنی شہادت کی انگلی اور اس کے ساتھ والی ملا کر فرمایا "بعثت انا والساعة کھاتین"۔[1] (میں اس حالت میں مبعوث ہوا ہوں کہ میرے اور قیامت کے درمیان صرف اتنا فرق ہے جتنا ان دو انگلیوں کے درمیان فرق ہے)۔ یہ معمولی سا فرق ہے۔ شہادت کی انگلی ذرا پہلے ختم ہو جاتی ہے۔ درمیان والی انگلی ذرا آگے جا کر ختم ہوتی ہے۔ گویا دنیا کی پوری عمر کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت تک کا زمانہ اتنا مختصر اور قلیل ہے جتنا شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی کا درمیانی فاصلہ۔ اس میں چودہ سو سال گذر گئے اور باقی اللہ کو معلوم ہے کہ اس کے علاوہ اور کتنا زمانہ باقی ہے۔

تعیین قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

قیامت کتنے سال بعد آئے گی؟ کس دن اور کس تاریخ کو آئے گی؟ یہ راز اللہ رب العالمین کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں اور یہ راز اللہ تعالیٰ نے کسی کو بتلایا بھی نہیں۔ کسی رسول کو بھی نہیں بتلایا اور کسی فرشتے کو بھی نہیں بتلایا۔ روایت میں آتا ہے کہ جبرائیل امین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جتنی خبر سوال کرنے والے کو ہے

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفتن

اس سے زیادہ علم جواب دینے والے کو نہیں ہے۔ (یعنی یہ جتلایا کہ مجھے بھی تم سے زیادہ خبر نہیں)۔۔۔ لیکن آپ ﷺ کو قیامت کی علامات بتلائی گئی تھیں، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو تفصیل سے بیان فرما دیا تھا اور وہ علامتیں ظاہر ہو چکیں۔

غلط فہمی کا ازالہ

لیکن خوب سمجھ لیجئے! اس کا مطلب یہ نہیں کہ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کی خبر دے رکھی تھی اور وہ فتنے ظاہر ہونے تھے اور گناہوں کا بازار گرم ہونا تھا، اس لئے ہم بھی گناہ کرتے رہیں، اور حرام حلال سب ایک کرتے رہیں۔ یہ سمجھنا درست نہیں۔

ایک جماعت حق پر قائم رہے گی

آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اس زمانے میں متقی لوگ نہیں ہوں گے۔ بلکہ یوں فرمایا تھا:

﴿لاتزال طائفة من أمتي قائمين على الحق وفي رواية راقمين على الحق لا يضرهم من خذلهم﴾

(یعنی) "میری امت میں سے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد حق پر قائم رہے گی اور انہیں کوئی حق سے ڈگمگا نہیں سکے گا اور انہیں کوئی دوسرا نقصان نہیں پہنچا سکے گا" یعنی انہیں دبا نہیں سکے گا۔ وہ دباؤ کے بغیر اپنا کام کرتی رہے گی۔

وہ دین کی اشاعت، حفاظت اور اسکی دعوت کا کام کرتے رہیں گے، دنیا کی کوئی طاقت انہیں دبا کر خاموش نہیں کر سکے گی۔ الحمد للہ یہ کام جاری ہے۔ آج اہل

۱؎ مشکوٰۃ المصابیح، ج۲ ص۱۱۔ بحوالہ بخاری ومسلم

اسلام اور مسلمانوں پر شدید دباؤ ہے۔ لیکن اہل حق، حق بول رہے ہیں، دنیا کی کوئی طاقت ان کی زبانوں کو روک نہیں سکی۔

امریکی مسلمانوں کی حق گوئی

میرا یہ سفر ہوا جو کہ امریکہ اور یورپ کے مختلف ممالک کا سفر تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ پوری دنیا پر امریکہ کی دہشت گردی کا رعب بیٹھا ہوا ہے۔ پوری دنیا اس کی دہشت گردی سے خوف زدہ ہے اور اہل دنیا اب یہ محسوس کر رہے ہیں کہ دنیا کا سب سے بڑا ''دہشت گرد'' امریکہ ہے۔ امریکہ کی اس عالمی دہشت گردی کے باوجود خود امریکہ میں موجود مسلمان حق بات کر رہے ہیں، انہیں امریکہ کی طاقت خاموش نہیں کرا سکی۔ مجلسوں میں کھلے طور پر امریکہ کی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہیں اور کوئی مسلمان ان سے خوش نہیں۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ یہ کام یہودیوں کا تھا، انہوں نے مسلمانوں پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ دنیا میں کہیں بھی حق کو روکا اور دبایا نہیں جا سکا۔

یورپ جانے والے مسلمانوں میں تبدیلی

ہم نے امریکہ جا کر اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ ہمارے وہ پاکستانی مسلمان جو امریکہ اور یورپ کی نقالی پر فخر کرتے تھے، اب یورپ میں جا کر انکے اندر زبردست تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ وہ لوگ جو یہاں نماز نہیں پڑھتے تھے انہوں نے وہاں جا کر نمازیں شروع کر دیں، جو یہاں داڑھیاں منڈواتے تھے، انہوں نے وہاں جا کر داڑھیاں رکھ لیں، جو عورتیں یہاں پردہ نہیں کرتی تھیں، وہ جا کر پردہ کرنے لگ گئیں۔ آپ امریکہ جا کر دیکھ لیں، آپ کو کتنے ایسے دوست ملیں گے جو یہاں داڑھیاں منڈواتے تھے، وہاں جا کر انہوں نے داڑھیاں رکھ لیں، وہ عورتیں

جو یہاں بھی پردہ نہیں کرتی تھیں اور ان کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ بھی پردہ کریں گی، وہ وہاں ایسا پکا پردہ کرتی ہیں کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ الحمد للہ اب امریکہ، جرمنی، اٹلی، سوئٹزرلینڈ، فرانس اور برطانیہ میں پردے نظر آتے ہیں۔

تبدیلی کی وجہ

اس تبدیلی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کفر کی لعنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ جس ننگی تہذیب سے وہ بہت زیادہ مرعوب ہو چکے تھے، اسکی خرابیاں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد انہیں یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ہمارے دین نے کتنا عمدہ راستہ بتلایا تھا، یورپ کی نقالی کر کے ہم لوگ بھٹک گئے تھے۔ اب وہ اپنے اصل راستے کی طرف آ رہے ہیں۔

گناہوں سے بچنے کا راستہ کھلا ہوا ہے

بہرحال معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص گناہوں سے بچنا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ان فتنوں کے دور میں بھی خلاصی کا راستہ نکال دیں گے۔ ان فتنوں کے باوجود بھی ہمارے لئے گناہوں سے بچنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ ہم مجبور نہیں ہوئے۔ البتہ تھوڑا سا مشقت کا معاملہ ہو گیا ہے۔ پہلے کے مقابلہ میں اب دین پر عمل کرنا کچھ مشکل ہو گیا ہے۔

ایک اہم پیشین گوئی

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ

نیا زمانہ آنے والا ہے کہ اس دور میں دین پر قائم رہنا اتنا مشکل ہو جائے گا جیسے آگ کا انگارہ پکڑ کر آدمی اپنی مٹھی میں بند کر لے۔ جس طرح انگارے کو مٹھی میں پکڑنا انتہائی تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتا ہے، ایسے ہی دین پر عمل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ ابھی وہ مشکل وقت تو نہیں آیا لیکن اس کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کے ساتھ ایسی صورت بھی پیش آتی ہو۔

فتنوں کے دور میں نیک اعمال کی عظیم فضیلت

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہے کہ ان فتنوں کے دور میں نیک اعمال کا اجر بہت بڑھ جائے گا چنانچہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ایک شخص کا نیک عمل پچاس صحابہ کے نیک عمل کے برابر ہوگا۔ غور فرمایئے یہ کتنی عظیم فضیلت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس زمین و آسمان نے اتنے عظیم انسان نہیں دیکھے جتنے کہ صحابہ کرام تھے۔ بڑے سے بڑا ولی، بڑے سے بڑا امام، مجتہد اور فقیہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی ادنیٰ سے ادنیٰ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ رب العزت نے صحابہ کرام کو بہت عظیم مقام دیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ فتنوں کے دور میں دین پر قائم رہنے والوں میں سے ہر ایک کو پچاس، پچاس صحابہ کے عمل کے برابر ثواب ملے گا۔

اسلام شروع میں بھی اجنبی تھا اور آخری دور میں بھی اجنبی ہوگا

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

﴿ان الاسلام بدأ غريباً وسيعود كما بدأ فطوبى للغرباء﴾

جب اسلام کا آغاز ہوا تو یہ دین بھی اجنبی تھا کہ اس کے معتقد اور احکام

ترمذی، باب الفتن، ج۲، ابواب [illegible] باب ما جاء الصابر علی دینه کالقابض علی الجمر

لوگوں کے لئے اچنبھے کا باعث تھے اور اسلام پر عمل کرنے والے لوگ دنیا میں اجنبی سمجھے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر مظالم بھی کئے جاتے تھے چنانچہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر کوڑے برسائے جاتے تھے کہ لا الہ الا اللہ کہنا چھوڑ دو۔ آپ کے پیروکاروں کا سوشل بائیکاٹ کیا جا رہا تھا۔ مسلسل تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا تھا، یہاں تک کہ وہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اسلام اس وقت اجنبی تھا، پوری دنیا اس کے خلاف تھی۔ دین پر قائم مسلمانوں کی تعداد تھوڑی سی تھی ان کی ہر بات اور عمل کو معاشرے میں اجنبی سمجھا جا رہا تھا۔

لفظ ''غریب'' کا مطلب

اس وقت بھی اسلام اجنبی تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ وسیعود کما بدأ (اسلام پھر اجنبی ہو جائے گا)۔ حدیث میں ''غریب'' لفظ استعمال ہوا، عربی میں ''غریب'' کا مطلب ہے اجنبی۔ یہ اردو والا غریب نہیں۔ اردو میں تو غریب مفلس کو کہتے ہیں جب کہ عربی میں ''غریب'' اجنبی کو کہتے ہیں۔ تو آخری دور میں اسلام کے اجنبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے عقائد اور اعمال معاشرے میں اجنبی سمجھے جائیں گے۔ لوگ تعجب سے دیکھیں گے کہ یہ اس زمانے میں بھی عمل کرتے ہیں۔ آج کل یہ بھی ہو رہا ہے۔

سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات

ابھی میرے سفر کے دوران یہ بات کئی بار پیش آئی کہ جب ہم مختلف جگہوں مثلاً ایئرپورٹوں، پارکوں وغیرہ پر نماز پڑھتے۔ اسی طرح شہر کے اندر بھی مختلف جگہوں پر نمازیں پڑھتے تھے تو بعض لوگ ہمیں تعجب سے دیکھتے تھے اور انگلیوں سے ہماری

طرف اشارہ کرتے تھے۔ نماز میں تو ایسا ہوتا ہی تھا، ویسے بھی ہماری شکلیں دیکھ دیکھ کر لوگ ایک دوسرے کو دکھاتے تھے۔ کہیں کہیں بچے ہمیں دیکھ کر "بن لادن" "بن لادن" کا نعرہ بھی لگاتے تھے۔

یورپی مسلمان ایمان پر مزید پکے ہو چکے ہیں

اب پوری دنیا میں یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ داڑھی رکھنے والے ہوتے ہیں وہ دہشت گرد ہوتے ہیں حالانکہ مشہور کرنے والے خود سب سے بڑے دہشت گرد ہیں۔ ان لوگوں کے غلط پروپیگنڈے کے باوجود وہاں کے لوگ اپنے دین پر پختہ ہو گئے ہیں، انہوں نے اپنی روش نہیں بدلی۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے یہ غلطی کی کہ اپنی داڑھیاں منڈوا دیں لیکن بھاری اکثریت ایسی ہے جنہوں نے اپنی شکل و ہیئت میں کوئی تبدیلی نہیں کی، ان کے لباس میں کوئی فرق نہیں آیا، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ٹوپی، کرتہ اور پاجامہ پہنتے ہیں اور اسی لباس میں دفتر جاتے ہیں، وہ ڈرتے نہیں بلکہ اور پکے ہو گئے ہیں اور ایسے بھی لوگ ہیں کہ جو پہلے داڑھیاں نہیں رکھتے تھے لیکن ان واقعات کے بعد جب ان سے چھیڑ چھاڑ کی گئی تو انہوں نے داڑھیاں رکھ لیں۔

ایک عظیم خوشخبری

اور میں آپ کو ایک عظیم خوشخبری سناتا جاؤں۔ وہ یہ کہ اب امریکہ میں اسلام اور زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ پہلے بھی کافی لوگ مسلمان ہو رہے تھے لیکن ان واقعات کے بعد جب وہاں کے لوگوں نے اپنے ریڈیو اور ٹی وی میں بار بار دیکھا کہ اسلام، مسلمان اور دہشت گردی (Terrorism) کے بارے میں بہت زیادہ کوریج دی جا رہی ہے اور اس کے بارے میں بہت زیادہ شور مچایا جا رہا ہے

تو انہوں نے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ اب وہاں کے بک سٹالوں پر مذہبی کتابیں ختم ہو چکی ہیں، گاہک زیادہ ہیں، کتابیں کم ہیں۔ بہت زیادہ لوگوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور اس کے نتیجے میں انہوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔

اسرائیل کے حق میں یہودیوں کی ریلی

اسی سفر میں واشنگٹن میں میری موجودگی میں وہاں کے یہودیوں نے ایک بہت بڑی ریلی نکالی، تقریباً ایک میل لمبی ریلی ہوگی۔ ہم اس ریلی کو دیکھنے گئے تھے۔ یہ ریلی کے افراد وہاں کی پارلیمنٹ کے سامنے موجود ایک بہت بڑے پارک میں جمع ہوئے، انہوں نے بڑے بڑے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے، ان پر انگریزی میں لکھا ہوا تھا کہ اسرائیل کو بچاؤ، اسرائیل کی حفاظت کرو۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ اسرائیل فلسطین کے مسلمانوں پر مسلسل مظالم ڈھا رہا ہے، عورتوں اور بچوں کو شہید کر رہا ہے۔

اس کے جواب میں مسلمانوں کی ریلی

وہاں کے مسلمانوں کو پہلے سے معلوم تھا کہ فلاں دن ریلی نکلنے والی ہے، اس لئے انہوں نے وہاں عیسائیوں کے ساتھ مل کر پروگرام بنایا کہ ریلی نکلنے کے اتنے دنوں بعد ہم بھی ریلی نکالیں گے۔ چنانچہ ایک دو دن کے بعد وہاں ایک بہت بڑا جلوس اسرائیل کے خلاف نکالا گیا۔ ان لوگوں کو جلوس نکالنے سے کوئی روک نہیں سکا۔

اہل حق کیلئے راستہ کھلا ہوا ہے

چنانچہ اس حدیث میں جہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس دور میں اسلام اجنبی ہو جائے گا، ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فطوبیٰ للغرباء (ایسے اجنبی لوگوں کیلئے خوشخبری ہے)۔ تو معلوم ہوا کہ اس دور میں بھی اہل حق کے لئے راستہ کھلا ہوا ہے، انہیں حق پر عمل

کرنے سے کوئی روک نہیں سکے گا۔ البتہ تھوڑے سے عزم وہمت کی ضرورت ہے۔

موجودہ فتنوں کے دوحل

موجودہ دور کے فتنوں سے بچنے اور ہمارے مسائل کا حل دو چیزیں ہیں۔

پہلی چیز عزم وہمت ہے۔ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کیجئے، احساس کمتری کو قریب پھٹکنے نہ دیں۔ الحمدللہ ہم حق پر ہیں، ہمارا خدا ایک ہے اور حق ہے، ہمارے خدا نے کوئی بات غلط نہیں کی۔ ہماری کتاب ایک ہے اور حق ہے، اس میں موجود سب کچھ حق ہے، ہمارا رسول ایک ہے اور حق ہے، انہوں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی تھی، ہمارا دین ایک ہے اور حق ہے، اس میں غلطی کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں ہے۔ جب ہم حق پر ہیں تو کیوں دبیں؟ دبنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کسی کے سامنے نہ دبیں، کوئی کتنا ہی مذاق اڑائے، کتنی ہی باتیں کرے، آپ عزم وہمت کے ساتھ جم جائیں، اپنے دین کو نہ چھوڑیں۔

اور دوسرا علاج یہ ہے کہ ہر قدم پر اللہ رب العزت کی ان فتنوں سے بچنے کی پناہ مانگو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن فتنوں سے پناہ مانگنے کی دعا سکھلائی۔ یہ ایک مختصر سی دعا ہے۔ اسے یاد کر کے خوب اللہ سے یہ دعا مانگیں۔ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے یہ دعا کرتے رہیں۔ یہ دعا بھی اِن فتنوں کا بڑی حد تک علاج ہے۔ وہ یہ ہے:

﴿اللّٰهم انا نعوذبك من الفتن ما ظهر منها وما بطن﴾

"اے اللہ! ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں اِن فتنوں سے جن میں سے کچھ کھلے ہوئے فتنے ہیں اور کچھ چھپے ہوئے فتنے ہیں"۔

یہ دعا خود بھی یاد کریں اور اپنے گھر والوں کو بھی یاد کرائیں۔ اور جب بھی

بار آئے تو یہ دعا تین مرتبہ پڑھ لیا کریں۔

انشاء اللہ تعالیٰ اگر یہ کام کر لئے گئے تو اللہ رب العزت کی طرف سے حفاظت ہوگی، کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکے گا اور آپ کو فتنے میں مبتلا نہیں کر سکے گا انشاء اللہ۔ اللہ رب العزت ہم سب کی ان فتنوں سے حفاظت فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

چھ افضل اعمال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿چھ افضل اعمال﴾

خطبہ مسنونہ

نحمده و نصلي على رسوله الكريم أما بعد:

"عن أبي ذر جندب بن جنادة رضي الله عنه قال: قلت يا رسول الله، أي الأعمال أفضل؟ قال: الإيمان بالله والجهاد في سبيله" قلت: أي الرقاب أفضل؟ قال: أنفسها عند أهلها وأكثرها ثمناً. قلت: فإن لم أفعل؟ قال: تعين صانعاً أو تصنع لأخرق" قلت يا رسول الله إن ضعفت عن بعض العمل؟ قال: تكف شرك عن الناس فإنها صدقة منك على نفسك" (متفق عليه)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا تعارف:

یہ حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضرت

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ آپ کا مزاج درویشانہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق زار تھے۔ ان کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اپنے پاس کوئی چیز جمع نہیں رکھتے تھے۔ بس ادھر سے مال آیا، ادھر خرچ کر دیا۔ ہر صحابی کی ایک الگ شان ہے۔ ان کی عجیب فقیرانہ شان تھی۔ ان کے عجیب عجیب واقعات ہیں۔ خود ان کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا سبق آموز اور ایمان افروز ہے۔

سب سے افضل عمل: اللہ پر ایمان لانا

انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اچھے اچھے سوالات کئے۔ جب ان سوالات کے جوابات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تو اس کے نتیجے میں بڑا زبردست علم ہم تک پہنچ گیا۔ چنانچہ اس حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! ای الاعمال افضل؟ (کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟) آپ نے فرمایا: الایمان باللہ (اللہ رب العزت پر ایمان لانا)۔

اللہ رب العزت پر ایمان لانا ایک زبردست عمل ہے۔ اس کے برابر تو کوئی عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ایمان دل میں ہوتا ہے، یہ دل کا عمل ہے اور یہ اس قدر عظیم عمل ہے کہ سب زمین و آسمان ایک طرف اور یہ دل کا عمل ایک طرف، زندگی بھر کے سارے اعمال نیک ایک طرف اور صرف یہ ایک عمل ایک طرف۔ اس لئے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سب سے افضل عمل ایمان باللہ ہے۔

اس ایمان پر اللہ کا شکر ادا کریں

اللہ رب العزت نے ایمان کی یہ دولت ہم سب کو دے رکھی ہے، اب یہ

اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے، ضعیف سے ضعیف مسلمان، کمزور سے کمزور مسلمان اور گنہگار سے گنہگار مسلمان کے دل میں بھی ایمان موجود ہے، اگر ایمان نہ ہوتا تو وہ کافر ہوتا، اگر ایک شخص جاہل، ان پڑھ، فاسق، فاجر، شرابی، حرام کھانے والا، سارے گناہوں میں ملوث ہے لیکن وہ مسلمان ہے، عقیدہ اس کا ٹھیک ہے، ایمان اس کے پاس ہے تو اس کے پاس اتنا بڑا عمل ہے کہ اس کے برابر کوئی عمل ہی نہیں اور اس میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں۔ لہٰذا اس ایمان کی قدر کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں کسی استحقاق کے بغیر، کسی مشقت اور تکلیف کے بغیر، کسی مجاہدے اور ریاضت کے بغیر اور کسی قربانی کے بغیر اتنی بڑی دولت دے رکھی ہے۔

ایمان کی دولت گھر بیٹھے مل گئی

مزید شکر کی بات یہ ہے کہ ایمان کی یہ دولت ہمیں خود بخود مل گئی کہ ہم مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے۔ والدین نے بچپن ہی میں کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سکھا دیا اور ہمیں ایمان کی دولت مل گئی الحمد للہ الحمد للہ۔ اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کریں۔ جب کبھی بھی تصور آئے تو چپکے سے کہہ دیا کریں الحمد للہ۔ خدانخواستہ اگر ہم کسی یہودی کے گھر پیدا ہوتے یا کسی ہندو کے گھر پیدا ہوتے یا کسی عیسائی وغیرہ کے گھر میں پیدا ہوتے تو کیسی جاہلیت میں ڈوبے ہوئے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ہو جاتے یہ اللہ رب العزت کا کرم ہے کہ اس نے مسلمان ماں باپ کے گھر میں پیدا کیا اور گھر بیٹھے ایمان کی دولت عطا فرمائی۔

ایمان کی قیمت صحابہ سے پوچھو

ورنہ ایمان کی قیمت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھئے کہ انہیں ایمان لانے کیلئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔ ان کے ایمان لانے کا قصہ مشہور ہے۔ بہت سے لوگوں نے سن رکھا ہے کہ ایمان لانے کیلئے انہیں کس طرح مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ چودہ روز تک پیاسے رہے۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی سخت مصیبتیں جھیلیں۔ سخت گرمی کے موسم میں مکہ مکرمہ کی سنگریزوں والی تپتی ہوئی زمین پر کپڑے اتار کر ننگے بدن لٹا دیا جاتا اور اوپر سے کوڑے برسائے جاتے۔

یہاں بیٹھ کر آپ کو تپش کا اندازہ نہیں ہوسکتا اور نہ پاکستان کے کسی اور حصہ میں اس کا اندازہ ہوسکتا ہے، نہ سندھ و بلوچستان میں اور نہ سرحد و پنجاب میں۔ تپش کا مطلب مکہ مکرمہ میں جا کر سمجھ میں آئے گا جب جون جولائی کا مہینہ ہوتا ہے تو اس وقت مکہ مکرمہ میں اس قدر شدید گرمی پڑتی ہے کہ اگر تھوڑی دیر کیلئے زمین پر ننگے پاؤں رکھے جائیں تو ان پر آبلے پڑ جاتے ہیں۔

بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر یہ تشدد اس لئے ہو رہا تھا کہ ان سے یہ مطالبہ کیا جاتا تھا کہ اللہ رب العزت کے ایک ہونے کا انکار کرو اور اس پر انہیں اتنے کوڑے مارے جاتے کہ ان کی شدت کی وجہ سے آپ بے ہوش ہو جاتے لیکن جب ہوش آتا تو فرماتے، احد، احد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے)۔

تقریباً تمام صحابہ کرام کا یہی حال ہے۔ صحابہ کی بہت تھوڑی سی تعداد ایسی ہے جو مسلمان گھروں میں پیدا ہوئی اور ماں کی گود میں انہیں کلمہ نصیب ہوا ورنہ صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جنہوں نے بڑی عمر میں اسلام قبول کیا اور ایمان کے راستے میں مشقتیں برداشت کیں۔ ان صحابہ سے پوچھئے کہ ایمان کی کیا قیمت ہے اور ایمان لانا کتنا مشکل کام ہے۔

دوسرا افضل عمل: جہاد فی سبیل اللہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے دوسرا سوال یہ پوچھا کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: الجہاد فی سبیل اللہ (اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا)

جہاد فی سبیل اللہ بہت بڑا عمل ہے۔ اس میں مشقت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ انسان اپنی جان کو داؤ پر لگا کر موت سے پنجہ آزمائی کرتا ہے، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ کرتا ہے گویا مجاہد کی موت سے کشتی ہوتی ہے جس میں ہر وقت یہ امکان ہوتا ہے کہ یا تو یہ موت کو شکست دے دے گا یا موت اسے شکست دے دیگی۔ انسان کیلئے جان سے زیادہ عزیز کوئی چیز نہیں ہوسکتی، ماں، باپ، بیوی، بچے سب عزیز ہوتے ہیں لیکن اپنی جان کے برابر نہیں ہوتے۔ جہاد ایسا بڑا عمل ہے کہ اس میں مجاہد اپنی سب سے عزیز چیز اللہ کے راستہ میں قربان کر دیتا ہے۔

جہاد اور جنگ میں فرق

لیکن یہ جہاد اس وقت ہوگا جب خالص اللہ کی رضا کیلئے ہو، اگر اللہ کی رضا کے علاوہ کوئی اور مقصد پیش نظر ہو تو یہ جہاد نہیں بلکہ جنگ ہوگی لہذا اگر کوئی شخص قومیت کیلئے لڑ رہا ہے تو یہ جنگ ہے، زمین کیلئے لڑ رہا ہے تو یہ جنگ ہے، عزت وشہرت کے لئے لڑ رہا ہے تو یہ بھی جنگ ہے، جہاد نہیں، جہاد تو وہ ہے جو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اللہ رب العزت کے دین کی سربلندی کیلئے صرف اللہ رب العزت کو راضی کرنے کے جذبے کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے کیا جائے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں آپ لوگوں کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہورہا ہوگا کہ اس حدیث میں ایمان کے بعد سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا گیا، حالانکہ مشہور یہ ہے کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل نماز ہے، یہی وجہ ہے کہ قیامت کے روز تمام اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا، اور ایک دوسری حدیث میں ایمان کے بعد نماز کا سب سے افضل ہونا مذکور بھی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس حدیث میں ایمان کے بعد سب سے افضل عمل "جہاد" کو بیان کیا گیا۔

علماء کرام نے اس اشکال کے مختلف طریقوں سے جوابات دیئے ہیں۔ میں ان میں سے ایک جواب عرض کرتا ہوں، وہ یہ کہ ایمان کے بعد جہاد سب سے افضل عمل ہے مشقت کے اعتبار سے اور نماز سب سے افضل عمل ہے اللہ رب العزت کے سامنے تذلل اور انکساری کے اعتبار سے۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے سب سے زیادہ ذلیل کرتا ہے، نماز سے پہلے بہت تیاریاں کرتا ہے، مثلاً سب سے پہلے جسم سے ہر قسم کی ناپاکی دور کی، کپڑے پاک کئے، وضو کیا، صاف ستھری جگہ تلاش کی اور پھر تکبیر کہہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگیا، نہ اِدھر دیکھ سکتا ہے، نہ اُدھر دیکھ سکتا ہے، نہ کھانا نہ پینا اور نہ کسی سے بات چیت کرنے کی اجازت ہے، اسی حال میں رکوع میں پہنچتا ہے اور پھر بالآخر اپنے جسم کا عظیم ترین حصہ پیشانی جسے کسی کے آگے جھکانے کیلئے تیار نہیں، اُسے اللہ رب العزت کے سامنے ٹیک دیتا ہے۔ اس طرح اللہ رب العزت کے سامنے اپنی انتہائی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرکے یہ بتلاتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے سامنے مٹادیا، تیری عظمت کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ کردیا لہٰذا انکساری اور تذلل کے اعتبار سے ایمان کے بعد سب سے افضل عمل نماز ہے اور مشقت کے اعتبار سے ایمان کے

بعد سب سے افضل عمل جہاد ہے حاصل یہ ہوا کہ ایمان کے بعد نماز بھی سب سے افضل عمل ہے اور جہاد بھی سب سے افضل عمل ہے البتہ دونوں کی حیثیتیں اور وجہیں جدا جدا ہیں۔

تیسرا افضل عمل: عمدہ غلام آزاد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے تیسرا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل عمل ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی غلام کو آزاد کروں تو کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: أنفسها عند أهلها وأكثرها ثمناً "وہ غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے جو مالک کے نزدیک سب سے اعلیٰ درجے کا اور سب سے زیادہ قیمتی غلام ہو"۔

چوتھا افضل عمل: ہنرمند کی مدد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا اور پوچھا کہ "فإن لم أفعل؟ یعنی اگر میں یہ کام نہ کرسکوں تو پھر کون سا عمل سب سے افضل ہے۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تعين صانعا أو تصنع لأخرق "کسی ہنرمند کی مدد کردیا کسی بے ہنر کیلئے صنعت کرو"۔

کسی ہنرمند کے ساتھ تعاون کرنا بہت بڑی نیکی کا کام ہے اور اس کی فضیلت اس حدیث سے ظاہر ہے کہ چوتھے نمبر پر اس عمل کو رکھا گیا۔

اسلام دین ہے، مذہب نہیں

میں کہا کرتا ہوں کہ اسلام کوئی مذہب نہیں، قرآن و حدیث میں کہیں بھی

اس کیلئے مذہب کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ عیسائیت مذہب ہے، یہودیت مذہب ہے، ہندومت مذہب ہے، اسلام مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ قرآن مجید میں ہر جگہ اسلام کیلئے دین کا لفظ استعمال کیا گیا۔ چنانچہ ایک ارشاد باری ہے:۔

﴿ ان الدین عند اللّٰہ الاسلام ﴾ (آل عمران ۱۹)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ ﴾ (آل عمران ۸۵)

ایک اور جگہ ہے:

﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی
ورضیت لکم الاسلام دیناً﴾

(المائدہ ۳)

تو اللہ رب العزت نے ہر جگہ اسلام کو دین ہی کہا ہے، مذہب نہیں کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا نام دین ہی بتایا ہے۔

مذہب اور دین میں فرق

مذہب اور دین میں فرق ہے۔ مذہب چند عقائد، کچھ عبادات اور کچھ اخلاقیات کا مجموعہ ہوتا ہے اس میں تجارت و معیشت کا ذکر نہیں ہوتا، زراعت و کاشتکاری کے احکام نہیں ہوتے، سیاست اور حکومت کے مسائل نہیں ہوتے، اس میں عدالت اور انصاف قائم کرنے کے طور طریقے بیان نہیں کئے جاتے، اس میں دوسری اقوام کے ساتھ تعلقات رکھنے کے قوانین مذکور نہیں ہوتے جبکہ دین میں یہ سب چیزیں ہوتی ہیں کیونکہ دین نام ہے ایک طرز زندگی کا جس میں پوری زندگی کا ایک نظام اور دستور العمل بتایا جاتا ہے۔

اسلام میں رہبانیت نہیں

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں رھبانیت اور ترک دنیا نہیں ہے اور نہ ہی اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ تم دنیا کو چھوڑ کر عبادت میں لگے رہو تو پھر تم اللہ والے بن سکتے ہو ورنہ نہیں بن سکتے بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ ترک دنیا کوئی کمال بات نہیں بلکہ کمال کی بات یہ ہے کہ دنیا میں رہو اور دنیا کے سارے کام بھی کرو، مزدوری بھی کرو، ملازمت بھی کرو، سیاست بھی چلاؤ، حکومت بھی کرو، عدالتیں بھی چلاؤ، جنگیں بھی کرو، صلح وصفائی بھی کرو، معاہدات بھی کرو، بکریاں بھی چراؤ، تجارت بھی کرو، اولاد کو بھی پالو اور ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام بھی کرو، غرضیکہ دنیا کے سارے کام کرو لیکن یہ تمام اسلامی تعلیمات کے مطابق کرو، اسی کا نام دین ہے۔

اسلام نے دنیا کو دین بنادیا

اسلام میں دین ودنیا میں تفریق نہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اسلام نے دنیا کو بھی دین بنادیا ہے۔ صنعت کاری بظاہر دنیا کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ عیسائی مذہب میں صنعت کار کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، جو شخص تجارت یا صنعت کاری کرتا تو اس کے بارے میں کہا جاتا کہ یہ دنیا دار آدمی ہے لیکن اسلام میں تجارت کرنے والا دنیا دار نہیں ہوتا، اور اگر تجارت کرنے والے کو دنیا دار مان لیا جائے تو پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہو گے کیونکہ آپ نے بھی مشارکت اور مضاربت کی بنیاد پر تجارت کی تھی۔ اس کے علاوہ دنیا کے دوسرے کام بھی کئے تھے، بکریاں بھی چرائی تھیں، مزدوری بھی کی تھی، حکومت بھی کی تھی، عدالتی فیصلے بھی

کئے، مسجدوں کی امامت بھی کی، جہاد میں اسلامی لشکر کی قیادت بھی کی، شادیاں بھی کیں، بچوں کی پرورش بھی کی۔ غرضیکہ دنیا کا ہر قسم کا کام کیا۔

دنیا کا کام کر کے اللہ کا ولی بن سکتا ہے

اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی کام کرو لیکن اللہ کی رضا کیلئے اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرو تو اسی میں ولایت ہے، چنانچہ آدمی تجارت کرتے کرتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، بادشاہت کرتے کرتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، کارخانے چلاتے چلاتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، مزدوری اور کھیتی باڑی کرتے ہوئے اللہ کا ولی بن سکتا ہے۔

دنیا کو دین بنانے کا طریقہ

خلاصہ یہ کہ اسلام میں ترک دنیا نہیں ہے بلکہ دنیا کو بھی دین بنانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی آپ کوئی کام کریں تو اس میں دو کام اور کریں۔ (۱) نیت اللہ کی رضا کی ہو۔ (۲) اور یہ سوچیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنت قرار دیا ہے، پھر اسی سنت کے مطابق اسے کرو۔ مثلاً شادی کرنا تو یہ سمجھ کر شادی کرو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور نیت یہ ہو کہ اللہ کا حکم پورا کر رہا ہوں، تو یہ بھی عبادت ہے، اسی طرح بیوی بچوں کے ساتھ دل لگی کرو، تو یہ دل لگی یہ سوچ کر کرو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ دل لگی فرمایا کرتے تھے اور یہ اللہ کا حکم ہے تو یہ بھی عبادت ہوگی۔

سب کام شرعی حدود میں ہوں

ہاں البتہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ سب کام شرعی حدود میں ہوں، شرعی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ بندوں کے حقوق ادا کرنے لگے تو اللہ کو بھول گئے، اور اللہ کے حقوق ادا کرنے لگے تو بندوں کو بھول گئے۔ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے عمل کے منافی ہے۔ آپ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا پورا پورا خیال فرماتے تھے اور کسی ایک کی وجہ سے دوسرے کو نہیں بھلاتے تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کس طرح وقت گزارتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ جس طرح تم اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتے ہو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رہتے ہیں، ہنستے بولتے ہیں، دل لگی کی باتیں کرتے ہیں، بکری کا دودھ دوہتے ہیں، گھر والوں کے کام میں ہاتھ بٹاتے ہیں، کپڑے پھٹ جائیں تو خود ہی سی لیتے ہیں، جوتا ٹوٹ جائے تو خود ہی گانٹھ لیتے ہیں، یہ سب کام کرتے ہیں لیکن جب اذان کی آواز سنتے ہیں تو اپنے گھر سے چلے جاتے ہیں جیسے ہمیں پہچانتے ہی نہیں۔

اندازہ کیجئے کہ یہاں دل لگی ہو رہی ہے، بیوی بچوں کی دل جوئی ہو رہی ہے اور دوسرے سارے کام ہو رہے ہیں لیکن اذان کے وقت یہ حالت ہو جاتی ہے کہ گویا گھر والوں کو پہچانتے ہی نہیں۔ یہ ہے دین و دنیا کو جمع کرنے کا طریقہ۔

ہنرمند کی مدد: بہت بڑی عبادت

اور دنیا کا کام جب اللہ کی رضا کیلئے اور شرعی حدود میں کیا جاتا ہے تو وہ عبادت بن جاتا ہے، پھر اگر سوئیں گے تو وہ بھی عبادت، کھانا کھائیں گے تو وہ بھی عبادت، تجارت کریں گے تو وہ بھی عبادت، بلکہ بہت بڑی عبادت، چنانچہ یہ حدیث آپ کے سامنے ہے، اس میں چوتھے نمبر پر جو افضل عمل بتایا گیا، وہ کسی ہنرمند کی مدد کرنا ہے۔

ہنرمند کی مدد کرنے کے طریقے

کسی ہنرمند کی مدد کرنے کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک عام اور سیدھا سادھا طریقہ یہ ہے کہ آپ نے کسی بڑھئی کو دیکھا کہ وہ بیچارہ بہت ضعیف اور بوڑھا شخص ہے، اپنا کام محنت سے کر رہا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ بہت جلد تھک جائے گا لیکن بیچارہ اس وجہ سے اس کام میں لگا ہوا ہے کہ محنت کریگا تو پیسے ملیں گے۔ آپ اس کے پاس پہنچ گئے اور جا کر اس کی مدد کی۔ یہ بہت بڑا ثواب کا کام ہے، اور جب یہ کام کرو گے تو اس میں مزہ آئے گا، دل میں ایک نور پیدا ہوگا کہ جی چاہے گا کہ آئندہ یہی کام کیا کروں۔

اس کی مشق دارالعلوم میں بھی ہو سکتی ہے

اور اس کی مشق آپ یہاں دارالعلوم میں بھی کر سکتے ہیں۔ دیکھئے یہاں کتنا تعمیراتی کام ہو رہا ہے، دیکھئے کوئی مزدور کام کر رہا ہے تو اس کی مدد کر دو، اور کچھ نہیں کر سکتے تو صرف چند دس منٹ کیلئے اس کا سامان اٹھا کر اس کو دے دو۔

ایک اہم طریقہ

صنعتکاری مدد کرنے کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔ یہ طریقہ وہ ہے کہ جس پر چل کر دوسری قوموں نے بڑی شاندار صنعتی ترقیاں کی ہیں اور ہماری حکومتوں نے اس طریقے کو اختیار نہیں کیا، جس کی وجہ سے صنعتکاروں کی حوصلہ شکنی ہوتی اور ترقی کے میدان میں پیچھے رہ گئے۔

وہ طریقہ یہ کہ بعض اوقات کوئی شخص ایک ہنر دریافت کر لیتا ہے لیکن اس کے لئے آلہ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے پاس وہ آلہ بنانے کیلئے پیسے اور وسائل نہیں ہوتے۔ اگر اس کی مالی امداد کی جائے تو وہ اس سے ایسا آلہ بنا لے گا جس سے پوری انسانیت کو فائدہ پہنچے گا۔

انجینئر ظفر صاحب کی ٹیکنالوجی کی طرف حکومت نے توجہ نہ دی

اس کی ایک مثال میرے سامنے ہے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے محبت اور تعلق رکھنے والے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید، دارالعلوم کراچی کی مجلس منتظمہ کے رکن، حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت قدیم ساتھی انجینئر ظفر صاحب پانی کے جہازوں پر ملازمت کرتے تھے۔ انگریز کے زمانہ سے ان کی یہ ملازمت چلی آرہی تھی۔ بہت اونچے عہدے پر تھے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ سورج کی تپش اور حرارت کو اگر مرتکز اور جمع کر لیا جائے تو اس سے ہم ایندھن کا کام لے سکتے ہیں، اس سے وہی کام لے سکتے ہیں جو بجلی اور آگ سے لیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں پاکستان میں سوئی گیس دریافت نہیں ہوئی تھی، لکڑی اور کوئلے پر کھانے پکتے تھے۔ یہ ۱۹۴۸ء یا ۱۹۴۹ء کی بات

ہے۔ چنانچہ انہوں نے سورج کی روشنی کو محفوظ کرنے کے لیے ایک چولہا تیار کیا اور اس پر کھانا پکایا۔ حضرت والد صاحب اور عم صاحب کی دعوت بھی کی۔ چنانچہ وہاں گئے اور اس چولہے سے پکا ہوا کھانا کھایا۔

دیکھئے یہ چیز اپنا اس وقت تجربہ تھا جس کی تکمیل ہو سکتی تھی لیکن یہ ترقی وقت ختم کر کے آگے بڑھ کر چھوڑ دی گئی تو بات دوسری ہے وہ ہمارے ہاں اس کی ضرورت تھی۔ حضرت والد صاحب نے اس وقت کے وزیر صنعت سے یہ بات بھی کہی تھی کہ دیکھئے پاکستان نیا نیا بنا ہے، اس وقت ملک پاکستان میں بہت سے سائنس دانوں کی ضرورت ہے لہذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ انہوں نے بہت اچھا کارنامہ انجام دیا ہے، ان کی طرف توجہ دی جائے اور اس کی مزید ترقی کی جائے تو اس سے ملک و قوم کو فائدہ پہنچے گا۔ حکومت نے اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ان کا مزاج تو یہ تھا کہ جو چیز انگریز کی طرف سے آئے وہ معتبر اور قابل اعتبار ہے اور جو غریب کے واسطے سے نظر آئے وہ قابل اعتبار نہیں۔ نتیجہ یہ کہ انہوں نے والد صاحب کی بات ایک کان سے سنی دوسرے کان سے اڑا دی۔

دوسرے ممالک کی ترقی

دوسرے ملکوں نے انجینئر ظفر صاحب کی ٹیکنالوجی کی نقل شروع کی اور رفتہ رفتہ یہ ٹیکنالوجی ترقی کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ یہ ٹیکنالوجی اتنی ترقی کر گئی ہے کہ برطانیہ کے بعض دوستوں نے مجھے بتایا کہ وہاں اس ٹیکنالوجی کی مدد سے بڑے بڑے ہوٹلوں میں بجلی تیار ہوتی ہے اس سے کھانے پکائے جاتے ہیں اور کئی سہولتیں اس سے بھی حاصل کی ہیں۔ اس ٹیکنالوجی کے اصل موجد انجینئر ظفر صاحب ہیں۔

اگر اس ٹیکنالوجی کی حوصلہ افزائی کی جاتی

دیکھئے اگر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تو ان کا بھی فائدہ ہوتا اور ملک وقوم کو بھی عظیم الشان فائدہ پہنچتا، ان جیسے لوگوں کے حوصلے بڑھتے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ آج یہ آلہ ایجاد ہوا ہے تو کل کوئی دوسرا آلہ ایجاد ہو جاتا، سائنس دان تیار ہوتے، ٹیکنالوجی کے ماہرین آگے آتے اور ہمارا ملک سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں زبردست ترقی کرتا۔

اب بھی حکومت توجہ نہیں دیتی

آج کل بھی آئے دن یہ خبریں آتی رہتی ہیں کہ کسی یونیورسٹی کے فلاں استاد یا طالب علم نے یہ اعلان کیا کہ فلاں چیز تیار کر سکتا ہوں بشرطیکہ حکومت میرے ساتھ تعاون کرے۔ حکومت ان کی بات پر کوئی توجہ نہیں دیتی۔ نتیجہ یہ کہ دوسرے ملک یہ ٹیکنالوجی حاصل کر لیتے ہیں اور اس کی وجہ سے زبردست ترقی کرتے ہیں۔

ہنرمند کی مدد کرنے کے دوسرے طریقے

صنعت کار اور ہنرمند شخص کی مدد کے بہت سے ذریعے ہیں۔ جس طریقے سے بھی اس کی مدد کی جائے گی اس حدیث میں بیان کردہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مثلاً کوئی شخص دھار والا کام کرتا ہے یا کوئی اور ایسا فن جانتا ہے، لیکن اس کے پاس اتنے پیسے نہیں کہ وہ اوزار خرید سکے تو آپ اوزار خرید کر دے دو، سارے اوزار خرید کر نہیں دے سکتے تو کوئی ایک اوزار خرید کر دے دو، تیسرا کوئی اور دلوا دے گا، اس طرح وہ روزی کمانے کے قابل ہو جائے گا۔

پانچواں افضل عمل: بے ہنر کیلئے صنعت کرنا

پانچویں نمبر پر افضل عمل یہ ہے کہ اگر تم کسی ہنرمند کی مدد نہیں کر سکتے تو کسی بے ہنر کیلئے صنعت کردو، اسے کوئی چیز سکھا دو مثلاً ایک عورت ایسی ہے کہ وہ بچوں کے کپڑے سینا نہیں جانتی اور تمہیں معلوم ہے تو اسے کپڑے سینا سکھا دو۔ سوئٹر بننا نہیں جانتی، اسے سوئٹر بننا سکھا دو یا کوئی اور کام ہے جس کی اس کو ضرورت ہے لیکن وہ اس فن کو نہیں جانتی، جبکہ تم اس کو جانتے ہو تو تم اس کیلئے یہ کام کردو۔ خلاصہ یہ کہ بے ہنر کی مدد کرنے کے بھی بے شمار طریقے ہیں۔

یہ خدمت خلق کی باتیں ہیں

یہ سب خدمت خلق کی باتیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب آدمی کے دل میں اللہ رب العزت اپنے نیک توفیق کا جذبہ پیدا فرمادیتے ہیں تو پھر وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ کہاں سے میں نیکی کمالوں، کہاں سے میں اپنی آخرت بنالوں۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو واقعات

مجھے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے دو واقعات یاد آرہے ہیں۔ یہ دونوں واقعات میں نے اپنے والد کے متعلق اپنی کتاب۱ میں بھی لکھے ہیں۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنی زندگی میں دونوں واقعے سنائے اور فرمایا کہ اب تک یہ دونوں واقعے میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز تھے۔ میں نے یہ واقعات کسی سے بیان نہیں کئے تھے اور اب تمہارے فائدے کے لئے سنارہا ہوں۔ یہ دونوں واقعے برسوں پہلے ہندوستان میں قیام کے دوران کے تھے اور ایک

۱۔ "حیات مفتی اعظم" ادارۃ المعارف کراچی سے چھپ چکی ہے۔

یہاں پاکستان آنے کے بعد سنائے۔

پہلا واقعہ

فرمایا کہ ایک مرتبہ میں صبح کی نماز کیلئے مسجد کی طرف جارہا تھا تو راستہ میں ایک بوڑھی خاتون کو دیکھا۔ یہ ہمارے گھر کے قریب رہتی تھی، ہمارے گھر کے قریب جولاہوں کا محلہ تھا اور یہ اسی محلے کی ایک خاتون تھی۔ ہمارے گھر سے مسجد کے راستے پر ایک کنواں پڑتا تھا۔ یہ عورت اس کنویں سے پانی بھر کر لارہی تھی۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ بیچاری بوڑھی عورت ہے وہ پانی کا گھڑا بھر کر لارہی تھی، گھڑا بھاری ہونے کی وجہ سے اس نے سانس لینے کیلئے چلتے چلتے گھڑا زمین پر رکھا۔ اتنی دیر میں، میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے خیال آیا کہ اس کا گھڑا اٹھوادوں۔ یہ سوچ کر میں نے کہا لاؤ اماں میں اٹھوادوں۔

جب میں اٹھانے لگا تو خیال آیا کہ یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں کہ یہ گھڑا اٹھا کر اس بوڑھی عورت کے سر پر رکھ دوں، اس لئے میں نے وہ گھڑا اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا اور اس بوڑھی عورت سے کہا اماں بتایئے آپ کا گھر کہاں ہے؟ میں اسے وہاں پہنچا دیتا ہوں۔ اس نے اپنے گھر کا راستہ بتایا اور میں یہ گھڑا سر پر رکھ کر اس کے گھر کی طرف چل پڑا۔

جب گھر کے دروازے پر پہنچے تو اس سے کہا اماں آپ گھر میں جاکر پردہ کروائیں، میں اندر جاکر یہ گھڑا رکھ کر آتا ہوں۔ وہ گئی، پردہ کروایا اور کہا کہ بیٹا یہاں رکھ دو۔ میں نے وہیں رکھ دیا۔

فرماتے ہیں کہ میں یہ گھڑا رکھ کر گھر سے باہر نکلنے نہیں پایا تھا کہ اس بڑھیا نے مجھے بے تحاشا دعائیں دینی شروع کیں۔ اور اس طرح کہ معلوم ہوتا تھا

کہ وہ دل کی گہرائیوں سے دعائیں دے رہی ہے۔ مجھے نماز کی جلدی تھی اس لئے میں جلدی جلدی وہاں سے چلا، لیکن دور تک مجھے اس کی دعائیں سنائی دیتی رہیں۔

میرے دل میں خیال آیا کہ یہ تو سودا بہت سستا ہے کہ عمل تھوڑا سا اور دعائیں اتنی زیادہ۔ تو میں نے ارادہ کیا کہ اب ہر روز یہ عمل کیا کروں گا۔ اگلے دن میں ذرا جلدی گھر سے نکلا۔ اس وقت وہ کنویں سے پانی بھر رہی تھی، گھڑا پاس رکھا ہوا تھا، ڈول کنویں میں ڈالا ہوا تھا۔ میں نے کہا "لاؤ اماں! میں پانی بھر دیتا ہوں" چنانچہ میں نے ڈول نکال کر اس کا گھڑا بھرا اور پھر اسے سر پر اٹھا کر گھر چھوڑ کر آیا۔

مجھے اس عمل میں اتنا نور محسوس ہونے لگا کہ میں روزانہ پابندی سے پہنچنے لگا تاکہ اسے کنویں سے پانی بھی کھینچنا نہ پڑے۔ اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے میرا یہ روزانہ کا معمول بن گیا۔ جب تک یہ بڑھیا زندہ رہی وہ عمل (الا یہ کہ میں کسی سفر میں نہ ہوا، یا بیمار نہ ہوا) باقاعدہ یہ عمل عرصہ دراز تک جاری رہا، اور اس عمل کی خبر اللہ تعالیٰ، اس بوڑھی خاتون اور میرے علاوہ اور کسی کو نہیں۔ آج یہ واقعہ تمہاری اصلاح کیلئے تم سے بیان کر رہا ہوں۔

دوسرا واقعہ

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی سنایا۔ یہ واقعہ تھانہ بھون کے ریلوے اسٹیشن کا ہے۔ تھانہ بھون ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس کا ریلوے اسٹیشن بہت ہی چھوٹا سا ہے اور اس زمانے میں تو بہت ہی چھوٹا اور کچا سا تھا حتیٰ کہ اس زمانے میں اس اسٹیشن پر بجلی بھی نہیں تھی۔ اس اسٹیشن پر چھوٹی لائن پر چلنے والی گاڑی آتی تھی وہ صرف ایک دو منٹ کیلئے رک کر چل پڑتی۔

والد صاحب فرماتے ہیں کہ سردیوں کے موسم میں ایک مرتبہ میں حضرت تھانوی سے ملنے کیلئے رات کے وقت سہارنپور سے سوار ہو کر تھانہ بھون آیا۔ ریلوے اسٹیشن پر اترا۔ اترتے ہی گاڑی چل پڑی۔ اندھیرے میں کچھ سائے نظر آئے جن سے محسوس ہو رہا تھا کہ کچھ اور لوگ بھی میرے ساتھ اترے ہیں۔ میرے پاس اپنی چادر کے علاوہ اور کوئی سامان نہ تھا۔ گاڑی روانہ ہونے کے تھوڑی دیر بعد آواز آئی، قلی، قلی، مجھے معلوم تھا کہ اس اسٹیشن پر قلی نہیں ہوتا تو میں سمجھ گیا کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں یہاں کے طور طریقے معلوم نہیں۔

میں نے جب ان کی طرف نظریں جمانے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں۔ وہ پھر آوازیں دینے لگے قلی، قلی۔

میں نے سوچا کہ یہ اجنبی لوگ ہیں۔ ان کے پاس سامان بھی ہے۔ عورتیں بھی ساتھ ہیں۔ میں ان کی کیسے مدد کروں۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ ایک مرتبہ پھر آواز آئی، قلی، قلی۔ میں نے جلدی سے اپنی چادر اپنے سر پر اس طرح لپیٹی جس طرح قلی لپیٹتے ہیں، اور چہرے کو بھی چھپا لیا تاکہ وہ مجھے پہچان نہ سکیں اور فوراً ان کے پاس جا کر کہا قلی آ گیا۔

وہ بڑے خوش ہوئے، اور سامان اٹھا کر میرے اوپر رکھنے لگے۔ میں نے ان کا ایک صندوق لیا، اور وہ بہت بھاری تھا، میں نے سوچا ایک ہلکا سا صندوق اور بھی سر پر رکھ لوں۔ چنانچہ میں نے ایک چھوٹا سا صندوق پکڑا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ رہنے دو، اور ایک بھاری سا صندوق اٹھا کر میرے سر پر رکھنے لگے، میں نے کہا دیکھو میں ایک کمزور قلی ہوں۔ (والد صاحب کی صحت اس زمانہ میں کمزور تھی، ویسے بھی علمی مشغل کی کثرت کی وجہ سے اکثر بیمار رہتے تھے) میں جتنا سامان اٹھا سکوں گا، اتنا ہی اٹھاؤں گا۔ باقی تم اٹھا لو۔

چنانچہ میں نے ایک صندوق سر پر رکھا، اس کے اوپر ایک اور چھوٹا سا صندوق رکھا اور کوئی چھوٹی سی چیز بغل میں لی۔ اور وہاں سے ہم چل پڑے۔ چلنے سے پہلے میں نے سوچا کہ اگر میں پیچھے رہا اور یہ آگے چلے تو میرا چہرہ پہچان لیں گے، اور پھر شرمندہ ہوں گے کہ ہم نے کس کو قلی بنالیا۔ کیوں کہ یہ صاحب والد صاحب کو جانتے تھے اور حضرت والد صاحب سے عقیدت بھی رکھتے تھے۔

میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے میرے پاس ٹارچ ہے۔ آپ میرے پیچھے چلیں، میں آگے آگے جاتا ہوں اور خوش ہوئے کہ یہ کتنا اچھا قلی ہے کہ اس کے پاس ٹارچ بھی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کہاں جاؤ گے۔ انہوں نے کہا تھانہ بھون۔ تھانہ بھون کا قصبہ ریلوے اسٹیشن سے ایک کلومیٹر دور واقع تھا۔ راستہ بھی بالکل ناہموار، کہیں اونچائی، کہیں گہرائی، گڈھے وغیرہ بھی راستے میں پڑتے تھے، کوئی پختہ سڑک نہیں تھی۔

میں ان کا سامان لے کر چل پڑا اور ان کے گھر تک پہنچا دیا۔ گھر پہنچ کر انہوں نے کہا کہ فلاں جگہ رکھ دو، وہاں پر سامان رکھا، انہوں نے کہا کہ ٹھہرو، ہم ابھی آتے ہیں اور تمہیں پیسے دیتے ہیں۔ میں باہر نکلا اور وہاں سے خانقاہ آگیا۔ وہ تلاش کرتے رہے ہوں گے کہ وہ قلی کہاں گیا۔

چھٹا افضل عمل: اپنے شر سے دوسروں کو بچانا

اس حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے سب سے آخری سوال یہ کیا کہ یا رسول اللہ اگر میں سارے کام نہ کرسکوں یا ان میں سے بعض نہ کرسکوں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: تکف شرک عن الناس یعنی "اپنے شر کو دوسروں سے روک لو"۔ تم سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، تمہاری وجہ سے کسی کا

دل نہ دکھے، تمہاری وجہ سے کسی کا نقصان اور ضرر نہ ہو۔

اس عمل پر کچھ خرچ نہیں ہوتا

یہ ایسا عمل ہے کہ اس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا، بلکہ اس میں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نہ کرنے کیلئے نہ طاقت کی ضرورت ہے، نہ پیسوں کی، نہ وقت کی اور نہ محنت کی لیکن یہ عمل بہت بڑا ہے اور اس کی فضیلت یہ بیان فرمائی کہ فانها صدقة منك على نفسك کہ "یہ تمہاری طرف سے اپنے اوپر صدقہ ہے"۔ اگر دوسروں کو تکلیف نہ پہنچاؤ تو اس کا فائدہ تمہیں پہنچے گا۔

اس عمل کے فائدے

دوسروں کو تکلیف نہ دینے سے کون کون سے فوائد حاصل ہوں گے؟ یہ فوائد بہت زیادہ ہیں مثلاً یہ کہ بڑے بڑے کبیرہ گناہوں سے بچے رہوگے، آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

اور جب اپنے آپ کو اس گناہ سے روکنے کی کوشش کرو گے تو یہ خود ایک نیکی ہے۔ شریعت کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ آدمی کے دل میں گناہ کا ارادہ پیدا ہوا اور پھر اللہ کے خوف سے اُسے چھوڑ دے تو یہ خود ایک نیک عمل ہے۔ مثلاً یہ خیال آیا کہ نامحرم کو دیکھوں لیکن اللہ کے خوف سے نظریں نیچی کرلیں تو صرف یہی نہیں کہ گناہ نہیں ہوا بلکہ اللہ کے خوف کی وجہ سے اس گناہ کا چھوڑنا خود ایک نیکی ہے جو نامۂ اعمال میں لکھی جائے گی۔

اسی طرح آپ کے دل نے چاہا کہ آپ کسی کو گالی دیں لیکن اللہ کے خوف کی وجہ سے آپ نے اپنی زبان کو روک لیا تو یہاں دو فائدے حاصل ہوئے، ایک

تو ایک بڑے کبیرہ گناہ سے بچ گئے اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ تمہارے نامہ اعمال میں ایک نیکی کا اضافہ ہو گیا۔

اس پر جتنا بھی اللہ کا شکر کریں، کم ہے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ یہ قصہ اتنا عجیب و غریب ہے کہ اس پر جتنا بھی اللہ کا شکر کریں، کم ہے اس لئے کہ اس میں محنت کچھ نہیں کرنی پڑتی، دولت کچھ نہیں لگانی پڑتی اور بھی کچھ نہیں کرنا پڑتا لیکن فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی گناہوں سے بچ جاتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

دنیا جنت بن جائے گی

اگر سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کریں تو یہ دنیا کی زندگی جنت بن جائے گی۔ ہر شخص اس بات کا اہتمام کرے کہ میرے کسی فعل سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ ہمارے معاشرے میں ہونے والے سارے جھگڑے، فساد، رنجشیں، عداوتیں اور بدگمانیاں صرف اس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچی، جھگڑا کھڑا ہو گیا، رنجش پیدا ہوئی، مقدمہ بازی کا سلسلہ چل پڑا یہاں تک کہ قتل و غارت تک نوبت پہنچ گئی۔

لیکن اگر شروع سے ہر شخص اسی بات کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے تو یہ دنیا جنت بن جائے۔ جنت کے بارے میں یہ شعر مشہور ہے کہ

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

ترجمہ: ”جنت وہ جگہ ہے جہاں کسی کو کسی سے تکلیف نہیں پہنچے گی اور کسی کو کسی دوسرے سے کوئی سروکار نہ ہوگا“۔

ہمارے آرام میں ایک بڑی رکاوٹ

یہ ایسا عظیم الشان عمل ہے کہ اگر لوگ اس پر عمل کرنے لگیں تو ہر ایک کو اس کی وجہ سے ایسی راحت اور آرام ملے کہ اس سے پہلے ایسی راحت و آرام کا تصور نہیں کیا ہوگا۔ آج کل ہمارے راحت و آرام کے اندر ایک بہت بڑی رکاوٹ اس حدیث پر عمل نہ کرنا ہے اور درحقیقت پورے اسلامی معاشرے کا مدوجزر اس حدیث کا یہ جملہ ہے کہ ”اپنے شر کو لوگوں سے روکو“۔

دین کے بڑے بڑے شعبے

دین کے بڑے بڑے شعبے کل پانچ ہیں:

نمبر۱: عقائد، یعنی ایمان لانا۔ اللہ پر ایمان، اس کے رسولوں پر ایمان، کتابوں پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان، اچھی بری تقدیر پر ایمان، مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان وغیرہ وغیرہ

نمبر۲: عبادات، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، صدقۃ الفطر وغیرہ وغیرہ

نمبر۳: معاملات جیسے تجارت و معیشت، لین دین، مالی معاملات، حکومتی نظام کا چلانا، عدالتی معاملات وغیرہ وغیرہ۔

نمبر۴ معاشرت: معاشرت عشرت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے زندگی۔ اور معاشرت کا معنی ہے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گذارنا، مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ رہنا، اور غور کیجئے کہ دنیا میں بسنے والا ہر انسان دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر ہی زندگی گذارتا

ہے۔ بچپن میں ماں باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ، بڑا ہو جائے تو پھر بیوی کے ساتھ، کچھ عرصہ بعد بیوی، بچوں کے ساتھ اور مزید کچھ عرصہ گذرنے کے بعد پوتے، پوتیوں کے ساتھ۔

جب سکول جاتا ہے تو وہاں اپنے ساتھیوں اور اساتذہ کے ساتھ، ملازمت کرتا ہے تو افسروں اور ماتحتوں کے ساتھ، بازار جاتا ہے تو گاہکوں اور دکانداروں کے ساتھ، بس اور ریل میں سفر کرتا ہے تو مسافروں کے ساتھ غرضیکہ ہر انسان کی زندگی دوسرے کے ساتھ مل جل کر گذرتی ہے۔ اب ہم یہاں مل جل کر بیٹھے ہوئے وقت گذار رہے ہیں۔

معاشرت کے متعلق تعلیمات

اسلام نے معاشرت کے متعلق تفصیلی تعلیمات دی ہیں مثلاً یہ بتلایا کہ بڑوں سے کس طرح بات کرو، چھوٹوں سے کس طرح کرو، دوسرے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ کیا ہے؟ اگر خدانخواستہ کسی سے لڑائی ہو جائے تو کس حد تک غصے کا اظہار کرنے کی اجازت ہے۔ کسی سے اختلاف ہو جائے تو اس کا اظہار کیسے کیا جائے گھر میں زندگی کس طرح گذاری جائے، اسی طرح ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں تو ہمیں ایک دوسرے کا کیا خیال رکھنا چاہیے، بس اور ریل میں ہیں تو اپنے ہم سفر لوگوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں۔ مسجد میں دوسرے نمازیوں کے ساتھ ہمیں کس طرح رہنا چاہیے۔ یہ ساری چیزیں معاشرت سے متعلق ہیں۔

نمبر۵ باطنی اخلاق:

باطنی اخلاق سے مراد یہ ہے کہ دل باطنی بیماریوں سے پاک ہو، مثلاً دل

میں تکبر نہ ہو تواضع اور انکساری ہو، بخل نہ ہو سخاوت ہو، بزدلی نہ ہو شجاعت ہو، حسد نہ ہو ایثار ہو، اللہ تعالیٰ سے بے رغبتی نہ ہو بلکہ اللہ رب العزت کا دھیان ہو، اللہ کا خوف ہو بے خوفی نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو۔

آداب معاشرت کے متعلق بنیادی اصول: دوسروں کو تکلیف سے بچانا

مذکورہ پانچ شعبوں میں سے چوتھے شعبہ یعنی معاشرت سے متعلق اس حدیث میں ہدایات بیان فرمائی گئی ہیں۔ یوں تو معاشرت کے بے شمار مسائل اور ہیں لیکن ان مسائل اور آداب کی بنیاد ایک بنیادی اصول اور قاعدہ کلیہ ہے۔ اس قاعدہ کلیہ کے تحت ہی سارے مسائل آجاتے ہیں۔ اگر اس قاعدہ کلیہ پر عمل کیا جائے تو معاشرت کے تمام احکام پر عمل ہو جائے گا اور وہ قاعدہ وہی ہے جو اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ

﴿تکف شرک عن الناس﴾

یعنی "اپنے شر کو دوسرے لوگوں سے روکو"

تقریباً یہی مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث صحیح میں یوں فرمایا۔ وہ حدیث یہ ہے۔

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ﴾

"مسلمان وہ ہوتا ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے"۔

تکلیف سے مراد ناحق تکلیف ہے

گویا معاشرت کے تمام احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے کسی قول وفعل

ت دوسرے کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔ اس سے مراد ناحق تکلیف ہے یعنی کسی کو ناحق تکلیف نہ پہنچے۔ بعض مرتبہ حق کی وجہ سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس میں داخل نہیں مثلاً قاضی سزائیں جاری کرتا ہے، عدالتوں میں ہاتھ کاٹے جاتے ہیں اور قصاص کے فیصلے بھی ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ٹریفک کے قوانین اسی اصول کے تحت بنائے گئے ہیں

معاشرت کے متعلق ایسے بنیادی اصول کا خیال نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ میں بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، اور ہر روز اس کا مشاہدہ بھی ہوتا رہتا ہے مثلاً ٹریفک کے تمام قوانین اسی اصول کے تحت بنائے ہیں، بعض جگہ لکھا ہوتا ہے۔ نوپارکنگ (No Parking) یہاں گاڑی کھڑی کرنا منع ہے۔ اکثر چوراہوں پر سرخ اور سبز سگنل لگے ہوتے ہیں سرخ سگنل جل رہا ہو تو گاڑی کھڑی کرنا ضروری ہے، اگر سبز سگنل جل رہا ہو تو گاڑی چلانے کی اجازت ہے۔ اسی طرح ٹریفک کے قوانین میں یہ بھی ہوتا ہے کہ مختلف سڑکوں پر گاڑی چلانے کی رفتار کی ایک حد مقرر کر دی جاتی ہے جو سڑک اچھی حالت میں ہوتی ہے وہاں تیز گاڑی چلانے کی اجازت ہوتی ہے اور جہاں اونچ نیچ ہوتی ہے یا سڑک خراب ہوتی ہے، وہاں گاڑی آہستہ چلانے کی ہدایات درج ہوتی ہیں۔ پلوں پر عام طور پر لکھا ہوتا ہے کہ یہاں اوورٹیک (Over Take) کرنا منع ہے۔

ٹریفک قوانین کی پابندی شرعاً لازم ہے

یہ سارے قوانین اس لئے بنائے گئے ہیں تاکہ لوگوں کو جانی مالی نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اب اگر ان قوانین کی پابندی نہ کی جائے تو اس سے دوسروں کو

تکلیف پہنچتی ہے۔ لہذا ان قوانین کی پابندی کرنا بھی شرعاً لازم اور واجب ہے۔

جانور قانون کا پابند نہیں ہوتا

ہمارے معاشرے میں کچھ ایسا رواج ہوگیا ہے کہ قانون توڑنے کو بڑے فخر اور بہادری کی بات سمجھا جاتا ہے کہ میاں فلاں تو کسی قانون کا پابند نہیں، حالانکہ جو قانون کی پابندی نہ کرے وہ تو جانور ہوتا ہے، آدمی کی زندگی تو قانون کی پابند ہوتی ہے۔ جو جتنا زیادہ آزاد ہوگا، اس میں جانورپنا اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ ہمارے ہاں کسی اصول کی پابندی نہیں کی جاتی، جس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

آداب معاشرت کی رعایت نہ کرنے سے دوسروں کو تکلیف پہنچنے کی چند مثالیں: مسجد سے متعلق چند مثالیں

عام طور پر مسجدوں میں وضو کرنے کیلئے چوکیاں بنی ہوتی ہیں۔ ایک صاحب آئے، وضو کیا اور گیلا پاؤں اس چوکی پر رکھ دیا۔ اس حدیث سے اور دوسری حدیث "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ" سے معلوم ہوا کہ اس نے گناہ کا کام کیا۔ اس لئے کہ یہ بیٹھنے کی جگہ تھی۔ اس کا خشک رہنا ضروری تھا۔ جب آپ نے اسے بھگو دیا تو اب وہاں کوئی شخص کیسے بیٹھ سکے گا، اگر بیٹھے گا تو اس کے کپڑے گیلے ہو جائیں گے، سردی کا موسم ہے تو اور زیادہ تکلیف پہنچے گی۔

شرعی قاعدہ یہ ہے کہ عام جگہ جہاں پر بیٹھنے کا سب کو برابر کا حق حاصل ہے، وہاں اگر کوئی شخص پہلے پہنچ جائے تو دوسرے آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اسے اس جگہ سے اٹھائے۔ مثلاً مسجد میں سب کا برابر حق ہے۔ جو شخص جہاں بیٹھ گیا وہ اس کی جگہ ہوگئی۔

اب ایک دوسرا شخص وہاں پہنچ گیا اور اسے وہاں سے ہٹا کر خود اس جگہ پر بیٹھنے کی کوشش کی تو اس کا یہ عمل شرعاً درست نہیں۔ اس طرح کرنے سے عام طور پر لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔

گھریلو آداب معاشرت کی رعایت نہ رکھنے کی مثالیں

عام طور پر گھروں میں پانی پینے کے مٹکے یا کولر وغیرہ کی جگہ مقرر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ گلاس یا پیالہ وغیرہ رکھا رہتا ہے۔ اب مثلاً گھر کے ایک فرد نے وہاں سے پانی پیا، اور اس گلاس کو مقررہ جگہ پر رکھنے کی بجائے کسی دوسری جگہ رکھ دیا۔ اب جب دوسرا فرد پانی پینے آئے گا اور اسے مقررہ جگہ پر گلاس نہیں ملے گا تو اسے تکلیف ہوگی، اور اگر اسے رات کے وقت پیاس لگی اور وہ رات تین بجے سخت اندھیرے میں اٹھ کر پانی کی جگہ پر آیا تو ایسی صورت میں اس جگہ پر گلاس نہ ملنے کی صورت میں بہت زیادہ تکلیف ہوگی اور جب تکلیف ہوگی تو اس کے منہ سے کوئی نامناسب کلمہ نکل جائے گا اور پھر اس پر جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔

اسی طرح تولیہ کا معاملہ ہے۔ عام طور پر تولیہ لٹکانے کی ایک جگہ مقرر ہوتی ہے۔ گھر کے ایک فرد نے وضو کیا تولیہ استعمال کیا اور اسے اس کی مقررہ جگہ پر ڈالنے کے بجائے کہیں اور ڈال دیا، بعد میں کسی دوسرے نے وضو کیا، تولیہ تلاش کیا تو وہ اپنی جگہ پر نہیں۔ اب وہ گیلے ہاتھوں کے ساتھ مختلف جگہوں پر تولیہ تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ تو یہ بھی اسے ایذاء پہنچانا ہے۔

رات کے وقت عام طور پر لوگ دروازوں کو بند کر کے اور کنڈی لگا کر سوتے ہیں۔ اب مثلاً ایک گھر میں سب لوگ اسی طرح دروازہ بند کر کے سوئے ہوئے ہیں۔ ایک صاحب تہجد کیلئے اٹھے اور دھڑام سے دروازہ کھولا جس سے دوسرے کی نیند خراب

ہوگئی۔ اب اس نے اٹھ کر تہجد تو پڑھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک زبردست کبیرہ گناہ بھی کرڈالا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد کیلئے اٹھنے کا طریقہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت تہجد کیلئے اٹھ کر کمرے سے باہر تشریف لاتے تو گھر والوں کے آرام کا پورا پورا خیال فرماتے، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ کا واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت بیدار ہوئے (یہ بعد میں پتہ چلا کہ اس لئے اٹھے تھے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے حکم آیا تھا کہ جنت البقیع میں جاکر شہداء کیلئے دعائے مغفرت کیجئے) اٹھنے کا انداز یہ تھا کہ بالکل آہستہ آہستہ اٹھے تاکہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ نہ کھل جائے، آہستہ سے جوتے پہنے، آہستہ سے دروازہ کھولا اور پھر آہستہ سے اُسے بند کرکے تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جاگ رہی تھی اور یہ سب چیزیں دیکھ رہی تھی۔

غور کیجئے کہ یہ سب کام آہستہ آہستہ کیوں ہوا تاکہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے حالانکہ آپ اللہ رب العزت کے حکم کو پورا کرنے کیلئے اٹھ رہے تھے۔ آج کل عام طور پر تہجد گذار لوگوں کا ان چیزوں کی طرف دھیان نہیں ہوتا۔ اگر آپ تہجد گذار ہیں تو بہت اچھی بات ہے لیکن اگر اس طرح تہجد پڑھیں کہ دروازوں کو اس طرح زور زور سے کھولیں کہ اس سے آوازیں پیدا ہوں اور دوسروں کی نیندیں خراب ہوں تو یہ کوئی نیکی کا کام نہیں۔ دوسروں کو تکلیف پہنچانا حرام ہے، اس سے بہتر یہی تھا کہ آپ تہجد کیلئے بیدار ہی نہ ہوتے بلکہ اپنی جگہ پڑے سوتے رہتے۔ کم از کم گناہ سے تو بچے رہتے، اب اٹھنے کی صورت میں کتنا بڑا گناہ کر ڈالا کہ دوسروں کو تکلیف پہنچادی۔

گھروں میں لڑائیاں کیوں ہوتی ہیں

گھروں میں جب اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال نہیں رکھا جاتا تو پھر جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں، میاں بیوی کے جھگڑے، ساس بہو کے جھگڑے، بہو اور نند کے جھگڑے وغیرہ۔ جتنے جھگڑے گھروں میں ہوتے ہیں، زیادہ تر اسی وجہ سے ہوتے ہیں کہ اس بات کی رعایت نہیں رکھی جاتی کہ ایک کے فعل سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔

سفر میں بھی ان آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے

سفر کے دوران بھی ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ آپ کی وجہ سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ آج کل عام طور پر اس سے غفلت برتی جاتی ہے۔ مثلاً آپ ٹرین کے ذریعہ لاہور جا رہے ہیں۔ آپ نے بھی ٹکٹ لیا اور آپ کے پاس بیٹھنے والے شخص نے بھی ٹکٹ لیا۔ آپ کو اپنی ٹکٹ کی وجہ سے صرف ایک آدمی کی جگہ کے برابر جگہ گھیرنے کی اجازت ہے۔ اب اگر آپ چادر وغیرہ بچھا کر دو تین آدمیوں کی جگہ پر قبضہ کر لیں گے تو اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے گی۔ اور یہ تکلیف بھی ناحق ہوگی، دوسرے کو غصہ آئے گا اور پھر لڑائی ہو جائے گی۔

ہمیشہ کا لفظ بڑا خطرناک ہے

ایک صاحب نے بڑی اچھی بات کہی کہ ”ہمیشہ“ کا لفظ بڑا خطرناک لفظ ہے۔ اور گھر کی گفتگو میں عام طور پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ایک روز سالن میں غلطی سے نمک زیادہ ہو گیا، تو شوہر بیوی سے کہتا ہے کہ تم تو ہمیشہ ہی نمک زیادہ

کردیتی ہو۔ حالانکہ وہ ہمیشہ ایسے نہیں کرتی، یہ سن کر اس کا دل جلا اور اس نے کہا کہ تم تو ہمیشہ ہی ایسی باتیں کرتے رہتے ہو، حالانکہ شوہر بھی ہمیشہ ایسی باتیں نہیں کرتا، تو یہ سن کر اس کا دل ٹوٹا اور پھر لڑائی جھگڑا ہو گیا۔ الفاظ کی رعایت نہ رکھنا بہت بڑے بڑے جھگڑوں کا باعث بنتا ہے۔

زبان بڑی خوفناک چیز ہے

زبان بڑی خوفناک چیز ہے۔ زبان سے جس قدر تکلیفیں دوسروں کو پہنچتی ہیں، ہاتھ سے اس قدر نہیں پہنچتیں اور نہ ہی پہنچائی جاسکتی ہیں۔ ہاتھ سے تو صرف وہاں تک تکلیف پہنچا سکتے ہیں جہاں تک ہاتھ پہنچے گا اور اگر ہاتھ میں لاٹھی ہے تو جہاں تک لاٹھی پہنچے گی اور اگر ہاتھ میں بندوق ہے تو جہاں تک بندوق کی گولی پہنچے گی وہاں تک تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے، لیکن زبان کی رسائی تو امریکہ تک پہنچ جاتی ہے، امریکہ میں بیٹھے ہوئے شخص کو یہاں بیٹھ کر گالی دی جاسکتی ہے۔

پھر یہ کہ ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کیلئے طاقت کی بھی ضرورت ہے، اگر آپ اپنے سے زیادہ طاقتور آدمی کو ہاتھ سے تکلیف پہنچانا چاہیں گے تو اول تو ہمت ہی نہیں ہوگی اور اگر پہنچائیں گے تو بہت مہنگی پڑ جائے گی، لیکن زبان کے ذریعے کمزور سے کمزور آدمی بڑے سے بڑے طاقتور آدمی کو تکلیف پہنچا دیتا ہے۔

حدیث میں زبان کو ہاتھ سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ

زبان سے جرائم بھی بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ زیادہ تر جھگڑے اور جرائم زبان کی وجہ سے ہوتے ہیں، ہاتھ کی وجہ سے کم ہوتے ہیں، گالی دینا، غیبت کرنا، تہمت لگانا وغیرہ یہ سب کچھ زبان سے ہوتے ہیں، اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنی حدیث "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" میں زبان کو ہاتھ سے پہلے ذکر کیا۔

کم گوئی بڑا اہم اصول ہے

اگر آدمی زبان پر قابو پالے تو معاشرت کے آدھے مسائل حل ہوجاتے ہیں اور بے شمار گناہوں سے نجات مل جاتی ہے۔ اسی لئے بزرگ اس بات کی ہدایت کرتے ہیں کہ کم بولنے کی عادت ڈالی جائے۔ "قلة الکلام" (یعنی کم گوئی) بڑا اہم اصول ہے۔ اور کم گوئی کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت نہ بولا جائے، ہاں جب ضرورت پیش آئے تو پھر بولو۔

اس اصول پر عمل پیرا کرنے کیلئے مجاہدے

اس اصول پر عمل پیرا کرنے کیلئے بڑے بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کرائی جاتی ہیں کیونکہ جس شخص کو زیادہ بولنے کی عادت ہوتی ہے، اس سے یہ عادت چھڑانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کو بیماری ہوتی ہے کہ ہر وقت بولتے رہتے ہیں حالانکہ یہ بہت بری بیماری ہے۔ آدمی جتنا زیادہ بولتا ہے، اتنے ہی اس سے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور جتنا کم بولتا ہے، اتنے ہی کم گناہ ہوتے ہیں۔ بعض مرتبہ اس بیماری کا علاج ڈانٹ ڈپٹ سے ہوجاتا ہے کہ دو تین مرتبہ سب کے سامنے ڈانٹ دیا جائے تو یہ عادت چھوٹ جاتی ہے، لیکن بعض دفعہ ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام نہیں چلتا اور یہ عادت باقی رہتی ہے تو ایسی صورت میں بعض بزرگوں نے ایسا بھی کیا ہے کہ ایسے شخص کو منہ کے اندر لوہے کے ٹکڑے بنا کر رکھنے کا حکم دیا تاکہ جب بھی بولنے کی ضرورت پڑے تو پہلے خوب سوچے

کہ بولنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ کیونکہ بولنے سے پہلے کو لے ٹالنے پڑیں گے، بقدر ضرورت بات کرکے پھر گونوں کو دھو کر منہ میں رکھنا ہوگا، اب پھر بات کرنے کو جی چاہے گا تو سوچے گا کہ بولوں یا نہ بولوں کیونکہ یہ ساری مشقت سامنے ہوگی۔ اس طرح کم بولنے کی عادت پڑ جائے گی۔

ادب کی جامع تعریف

ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ ایک مجلس میں پوچھا کہ بتاؤ ادب کسے کہتے ہیں؟ حاضرین خاموش رہے، آپ نے بار بار پوچھا، پھر خود ہی فرمایا کہ کیا بڑوں کے سامنے گردن جھکانے کا نام ادب ہے، کسی نے کہا کہ ہاں! تو آپ نے فرمایا، نہیں، یہ ادب نہیں، پھر فرمایا کہ کیا بڑوں کے سامنے آہستہ بولنے کا نام ادب ہے، کسی نے ہاں! کہا تو فرمایا، یہ بھی ادب نہیں، کسی نے کہا کہ بڑوں کا ادب یہ ہے کہ جب وہ چلیں تو ان کے پیچھے پیچھے چلے، فرمایا یہ بھی نہیں۔ ان میں سے کوئی بات بھی ادب کی تعریف نہیں۔ پھر خود ہی فرمایا کہ "دوسروں کا ادب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا عمل کرو، جس سے دوسروں کو ادنیٰ تکلیف یا ناگواری نہ ہو، اور اگر تکلیف پہنچادی تو یہ بے ادبی ہے۔" چنانچہ جب یہ بات ہے تو کبھی گردن جھکا کر بیٹھنا ادب ہوگا اور کبھی گردن اٹھا کر بیٹھنا ادب ہوگا، اور کبھی آہستہ بولنا ادب ہوگا اور کبھی ذرا بلند آواز میں بولنا ادب ہوگا چنانچہ اگر آپ کا استاد یا شیخ آپ سے بات کر رہا ہے، آپ کو کچھ سمجھانا چاہتا ہے یا کوئی مشورہ لینا چاہتا ہے اور آپ گردن جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں، وہ آپ سے باتیں کر رہا ہے اور آپ اس کی طرف دیکھ ہی نہیں رہے تو یہ ادب نہیں بلکہ بے ادبی ہے کیونکہ اس سے اس کو الجھن ہوگی کہ نجانے آپ اس کی باتیں سن رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔ وہ سوچے گا کہ نجانے میں کس بت سے بات کر رہا ہوں یا

انسان سے۔ اُسے شدید پریشانی ہوگی۔ اس صورت میں ادب یہ ہے کہ گردن نیچا کر بیٹھا جائے اور اس کی طرف دیکھا جائے۔

اسی طرح ایسی صورت میں اگر آپ اتنا آہستہ بولیں کہ اس کو آواز ہی سنائی نہ دے تو یہ بے ادبی ہوگی یا اگر آپ قریب بیٹھے ہیں لیکن اتنا زور سے بولیں کہ استاذ یا شیخ بھی ڈر جائے تو یہ بھی بے ادبی ہوگی۔

اسی طرح کبھی پیچھے چلنا ادب ہوگا اور کبھی آگے چلنا ادب ہوگا۔ مثلاً اندھیری رات ہے، راستہ خطرناک ہے، پتھر بھی ہیں، جھاڑیاں اور کانٹے وغیرہ بھی ہیں اور آپ اپنے استاد یا شیخ کے ساتھ جارہے ہیں تو وہاں پیچھے چلنا بے ادبی ہوگی، وہاں ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ آگے چلیں اور بڑے کو پیچھے کریں۔

ادب کا مقصود

ادب کا مقصود یہ ہے کہ دوسروں کو تکلیف سے بچائیں، اس کیلئے کبھی آپ کو گردن جھکانا پڑے گی، کہیں گردن اٹھانا ہوگی، کہیں آہستہ بولنا ہوگا، کہیں بلند آواز سے بات کرنا ہوگا، کہیں پیچھے چلنا پڑے گا، کہیں آگے چلنا ہوگا اور کہیں دائیں بائیں چلنا پڑے گا وغیرہ۔

مصافحہ کرنے کا رواج

آج کل مصافحوں کا بہت زور ہے، سلام کریں یا نہ کریں مصافحہ ضرور کیا جاتا ہے، اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ بزرگوں سے مصافحہ کرنے کو بڑے ادب کی بات سمجھا جاتا ہے، اس کے لئے نجانے کیا کیا گناہ کئے جاتے ہیں، اس کو کہنی ماری، اس کو کہنی ماری، ادھر دھکا دیا، اس کی گردن پھلانگی اور مصافحہ کیلئے پہنچ گئے، یہ سب ناجائز ہے، بے

شک بزرگوں سے مصافحہ کرنا برکت کی چیز ہے اور مستحب بھی ہے لیکن اس کے بھی آداب ہیں، ان کا خیال از حد ضروری ہے۔ آج کل ان آداب کا عام طور پر خیال نہیں رکھا جاتا۔

بڑے بھائی کا ایک دلچسپ واقعہ

میرے بڑے بھائی صاحب جن کا اب انتقال ہو گیا ہے۔ ایک مرتبہ اپنا واقعہ سنانے لگے۔ فرمایا کہ بہت دیر سے بس کے انتظار میں کھڑا تھا، ہجوم بہت زیادہ تھا، کافی دیر کے بعد مطلوبہ بس آ گئی، تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگے تو پیچھے سے کسی نے نام لے کر آواز دی، پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس نے کہا السلام علیکم (صرف سلام اور مصافحہ کرنا مقصود تھا) ان سے سلام کرنے کی دیر میں بس نکل گئی۔ بتایئے ایسے شخص کے سلام کا جواب دیا جائے یا اُسے تھپڑ مارا جائے۔

بعض جگہ سلام کرنا مکروہ ہے

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ بہت سے مواقع ایسے ہیں، جہاں سلام کرنا مکروہ ہے مثلاً کوئی شخص کھانا کھا رہا ہے تو اُسے سلام نہ کیا جائے، کوئی چیز پی رہا ہے تو سلام مت کرو، کسی کا وعظ اور تقریر سن رہا ہے تو سلام نہ کرو۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچتے ہیں تو سب سے پہلے سلام کرتے ہیں اور پھر ہر ایک سے مصافحہ کرتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے کہ اس سے گویا اتنی دیر تک مجلس کو بے کار اور معطل کر دیا۔

مصافحہ کے آداب

اسی طرح مصافحہ کے بھی آداب ہیں۔ اگر ایک شخص مصروف ہے اور اس کے

دونوں ہاتھ مصروف ہیں تو اس سے مصافحہ نہ کیا جائے، اگر تم مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاؤ گے تو وہ بے چارہ کس طرح جواب دے گا، اسی طرح اگر کوئی نماز کیلئے جارہا ہے اور جماعت کھڑی ہوچکی ہے تو اس سے بھی مصافحہ نہیں کرنا چاہیے، میرے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ جماعت کھڑی ہوگئی، میں مسجد کی طرف جارہا ہوں، کسی نے دیکھ تو بجائے مسجد جانے کے میری طرف آگیا اور سلام کرکے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھادیئے، ایسے موقعوں پر میں مصافحہ نہیں کرتا تاکہ اسے معلوم ہو کہ یہ وقت مصافحہ کرنے کا نہیں۔ اسی طرح اور کوئی شخص کسی اور جلدی میں جارہا ہے تو اسے سلام تو کرلیا جائے لیکن مصافحہ نہ کیا جائے کیونکہ سلام کرنے میں اس کا کوئی مستقل وقت خرچ نہیں ہوتا لیکن مصافحہ کرنے میں اُسے تکلیف اور اذیت پہنچے گی۔

انتظار کرنے کے آداب

آج کل انتظار کرنے والے لوگ بھی بہت تکلیف پہنچاتے ہیں۔ انتظار کرنے کے آداب میں یہ بات بھی ہے کہ جس شخص کا آپ انتظار کررہے ہیں اگر وہ نماز میں یا کسی اور اہم کام میں مشغول ہے تو ایسی جگہ کھڑے ہوکر انتظار کریں کہ اُسے پتہ نہ چلے کہ آپ اس کا انتظار کررہے ہیں۔ اگر اُسے پتہ چل گیا کہ آپ انتظار میں ہیں تو فوراً تشویش ہوجائے گی مثلاً اگر وہ نماز پڑھ رہا ہے تو نماز میں دل نہیں لگے گا اور بار بار خیال آئے گا کہ نجانے کیا خبر لے کر آیا ہے، کوئی خطرناک خبر لے کر آیا ہے یا خیر خیریت کی خبر لے کر آیا ہے، نماز میں خلل آئے گا اور پریشانی ہوگی۔

آج کل اس کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا۔ ہمارے ساتھ یہ قصے بارہا پیش آتے رہتے ہیں۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوتا ہوں ایک ادھر سے آکر

بیٹھ گیا اور دوسرا دوسری طرف سے آکر بیٹھ گیا اور اپنے اعتبار سے وہ یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم بڑا نیک کام کر رہے ہیں کہ نماز کے بعد مصافحہ کریں گے، لیکن انہیں معلوم نہیں کہ اس کیلئے انہوں نے جو طریقہ اپنایا وہ بالکل غلط ہے۔

میرے ساتھ پیش آنے والا ایک قصہ

میرے ساتھ ایک مرتبہ یہ قصہ پیش آیا کہ میرے ذمہ سجدۂ سہو تھا۔ میں نے آخری رکعت میں تشہد کے بعد سلام پھیرا تو ایک صاحب نے وہیں سے ہاتھ پکڑ کر سلام کر ڈالا۔ بے خیالی میں میں نے بھی وعلیکم السلام کہہ دیا۔ اب نماز بھی گئی، دوبارہ چار رکعت پڑھنی پڑی۔ اس کا تو مصافحہ ہوا، میری چار رکعت فرض نماز چلی گئی۔

لائن کی پابندی ضروری ہے

مختلف جگہوں پر مطلوبہ کام کیلئے لائن لگانی پڑتی ہے مثلاً ٹکٹ لینا ہے اور رش زیادہ ہے تو لائن لگائی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں دارالعلوم میں کھانا لینے کیلئے لائن لگائی جاتی ہے۔ شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص آپ سے آگے کھڑا ہے، اس کی اجازت کے بغیر اس کی جگہ پر جانا یا اس سے آگے بڑھنا حرام ہے، لائن کی پابندی کرنا بہت ضروری ہے۔ بعض لوگ اس میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم لائن کے پابند نہیں، ہمیں کون روک سکتا ہے۔ جانور کو تو کوئی بھی نہیں روک سکتا، لیکن اگر وہ انسان ہے تو انسان ہونے کے ناطے تو اُسے رکنا چاہیے اسلامی احکام کا تقاضا بھی ہے۔

اہل یورپ کی ایک اچھی عادت

یورپ کے معاشرہ میں اگرچہ بہت ساری خرابیاں ہیں، لیکن معاشرہ کے آداب کے سلسلے میں ان میں بہت سی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب بھی پانچ، سات آدمی کسی کام کیلئے جمع ہو جائیں تو اپنی لائن خود لگا لیتے ہیں، کسی کو کہنا نہیں پڑتا کہ لائن بناؤ، خود بخود لائن بنا لیتے ہیں اور لائن لگا کر پھر ایک دوسرے سے فاصلے پر کھڑے ہوتے ہیں تاکہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ جبکہ ہمارے ہاں اول تو لائن لگانے کا رواج نہیں اور اگر کہیں لگتی ہے تو عام طور پر دھکم دھکا ہوتی ہے اور ایک طوفان بدتمیزی برپا ہوتا ہے حالانکہ شریعت اسلامی کا تقاضا وہ ہے جو اس معاملے میں یورپ کے لوگ کرتے ہیں کہ "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" یہ اصول اسلام کا تھا لیکن اہل اسلام نے اسے چھوڑ دیا اور یورپ والوں نے اختیار کر لیا۔

ان باتوں پر عمل کیسے ہو

مختلف مثالوں کے ذریعے سے میں نے جو بات آپ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اگر اسے عمل میں لانے کی کوشش نہ کی گئی تو کچھ عرصہ بعد بھول جائے گی اور عمل کرنے کی عادت ایسے ماحول میں رہنے سے پڑتی ہے جہاں ان چیزوں کی پابندی کی جائے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں رہا جائے کیونکہ ان پر عمل کرنے کا ماحول ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں رہنے سے اس کی عادت پڑتی ہے، اور اس کی عادت بنانے سے زندگی خوشگوار بن جاتی ہے جبکہ اس کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے زندگی جہنم بن جاتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ انسان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ اے انسان! تم تو انسان تھے، تمہیں تو جانوروں سے بلند و بالا ہونا چاہیے تھا، لیکن اگر تم نے انسانیت سے گر کر جانور ہی بننا تھا تو پھر گائے، بھینس اور بھیڑ بکری کی طرح بن جاتے کہ تم سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا، تکلیفیں نہ پہنچتیں، اور اگر یہ نہیں بن سکتے تو پھر ایسے جانور بن جاؤ جن سے نہ انسان کو راحت پہنچتی ہے اور نہ نقصان ہوتا ہے جیسے دور جنگلوں میں رہنے والے جانور کہ انسانوں سے دور ہونے کی وجہ سے انسان کو نقصان نہیں پہنچاتے لیکن اس سے کم درجے والے جانور یعنی ڈنک مارنے والے جانور جیسے سانپ اور بچھو تو نہ بنو۔

خوشگوار زندگی گذارنے کا بہترین نسخہ

یہ تو امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے اس آخری جملے کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم بیان کردہ افضل اعمال میں سے بعض عمل کرنے سے عاجز ہو یا تمام پر عمل کرنا دشوار ہے تو کم از کم اتنا تو کرو کہ لوگوں کو اپنی تکلیفوں سے بچاؤ، یہ خوشگوار زندگی گذارنے کا ایک بہترین نسخہ ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
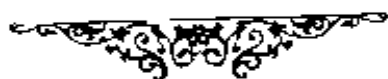
تین آسان نیکیاں

موضوع: تین آسان نیکیاں

بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿تین آسان نیکیاں﴾

۱۔ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا۔

۲۔ مسجد کی صفائی کا خیال رکھنا۔

۳۔ دوسروں کے لئے مسکرانا۔

خطبہ مسنونہ:

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد!

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "عرضت علی أعمال أمتی حسنها و سیئها، فوجدت فی محاسن اعمالها الأذی یماط عن الطریق و وجدت فی مساوی أعمالها النخاعة تکون فی المسجد لاتدفن۔

وقال النبی صلی اللہ علیه وسلم: لا تحقرن من المعروف شیئاً ولو أن تلقی أخاك بوجه طلیق۔

(رواہ مسلم بحوالہ ریاض الصالحین ص ۷۰)

تمہید:

اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہاں دین کی باتیں سننے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم اس وقت یہاں جمع نہ ہوتے تو یہی وقت کسی اور بے کار کام یا باتوں وغیرہ میں خرچ ہو کر ضائع ہو جاتا۔

وقت کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ آخرت میں ہوگا جہاں ہماری زندگی کے ایک ایک لمحے اور ایک ایک حرکت و سکون کا حساب ہونے والا ہے۔ اس وقت بہت سے لوگوں کو یہ حسرت ہوگی کہ ہم نے فلاں وقت جو بے کار گذارا تھا کاش وہ وقت بھی ہم آخرت کی تیاری میں خرچ کر دیتے۔ دنیاوی زندگی میں اس کی صحیح قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوتا۔

دین کی باتیں سننے کی فضیلت:

دین کی باتیں سننے کے لئے یہاں جمع ہونا کوئی معمولی عمل نہیں۔ آپ سب حضرات کے لئے اور خصوصاً ان حضرات کے لئے جو دور دور سے اس مجلس میں شریک ہونے کے لئے آتے ہیں، ان سب کے لئے وہ بشارت ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مبارک میں بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

"من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله له طريقاً من طرق الجنة" (بخاری، کتاب العلم)

"جو شخص دین کا علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستہ پر چلتا ہے

تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں"۔

آپ حضرات یہاں دین کی باتیں سننے اور دینی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں، انشاء اللہ یہ بشارت ہم سب کے لئے ہے۔

دین کی باتیں سننے کے لئے چل کر کہیں جانا، اس کے لئے کچھ وقت نکالنا مستقل عبادت ہے۔

نیکی کے راستے:

پچھلی مجلس میں اس پر بیان چل رہا تھا کہ نیک کاموں کے بہت سے طریقے ہیں[1]۔ آخرت کمانے اور اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرنے کے لئے بہت سے طریقے ہیں۔ جنت کمانے اور جہنم سے بچنے کے راستے بہت زیادہ ہیں۔ بہت سارے چھوٹے اور بڑے اعمال ایسے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی آدمی ایک عمل نہیں کر سکتا تو دوسرا کر لے، دوسرا نہیں کر سکتا تو تیسرا کر لے وغیرہ وغیرہ۔

ایک مشہور مقولہ:

بزرگوں کے ہاں ایک مقولہ مشہور ہے:

﴿طرق الوصول الی اللّٰہ بعدد انفاس الخلائق﴾

"اللہ تک پہنچنے کے راستے اتنے ہی ہیں، جتنی تمام مخلوقات کے سانسوں کی تعداد"۔

---

[1] اس سے پہلے کئی مجلسوں میں اس موضوع پر بیان ہوا ہے۔ کئی صفحہ میں مزید احادیث کی تشریح اس بیان میں ہے۔

اس میں صرف انسانوں کے سانس کی بات نہیں کی گئی بلکہ تمام مخلوقات کے سانس کا ذکر کیا گیا۔

غور فرمایئے! صرف ایک انسان کے کتنے سانس ہوتے ہیں۔ اور آدم علیہ السلام سے اب تک جتنے انسان پیدا ہو چکے اور جو آئندہ پیدا ہوں گے، ان سب انسانوں کے کتنے سانس ہیں۔ یہ تو صرف انسانوں کے سانس ہوئے۔ اب جانوروں کے سانسوں کا اندازہ لگایئے، ہر جانور عمر بھر میں کتنے سانس لیتا ہے اور دنیا میں کل کتنے جانور ہیں۔ اس کے علاوہ اور ذی روح مخلوقات کتنی ہیں اور ان کے کتنے سانس ہیں!

ان سب مخلوقات کے عمر بھر کے جتنے سانس بنتے ہیں، اتنے ہی اللہ رب العزت تک پہنچنے کے راستے ہیں۔

دین بہت آسان ہے:

یہ اللہ رب العزت کا ہم پر کتنا احسان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایسا دین لے کر آئے ہیں کہ اس میں کمزور سے کمزور، مشغول سے مشغول آدمی بھی اللہ رب العزت تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص محنت والے عمال نہیں کر سکتا تو ایسے اعمال اختیار کر سکتا ہے، جن میں محنت نہ ہو۔ وقت طلب اعمال کرنا مشکل ہو تو ایسے اعمال اختیار کر سکتا ہے جن کے لئے کوئی خاص وقت نہیں نکالنا پڑتا۔

اعمال کی قسمیں اور ان کا حکم:

اعمال دو طرح کے ہیں۔ ایک تو فرائض و واجبات ہیں جن کا بجا لانا

بہر حال ضروری ہے جیسے پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے، مال کی زکوٰۃ، زندگی میں ایک مرتبہ کا حج، قربانی وغیرہ۔ یہ اعمال وہ ہیں جو اپنی اپنی شرائط کے ساتھ فرض و واجب ہیں۔ جس جس کی شرطیں پائی جائیں گی، وہ فرض و واجب ہوتا چلا جائے گا۔ لہٰذا یہ اعمال تو کرنے ہی ہیں، انہیں چھوڑا نہیں جا سکتا اور یہ تھوڑے سے ہیں۔

لیکن وہ اعمال جو متعین طور پر فرض و واجب نہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے اندر یہ تفصیل ہے کہ کسی ایک کام کا اختیار کرنا ضروری نہیں، اگر ایک کام نہیں کر سکتا تو دوسرا کرلے تب بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا، دوسرا نہیں تو تیسرا کرلے تب بھی اللہ تک پہنچ جائے گا، غرضیکہ جو عمل بھی کرلے، اس کے ذریعے اللہ تک پہنچ جائے گا۔

اللہ تک پہنچنے کا مطلب اور ولی اللہ کی تعریف:

اللہ تک پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ولی اور دوست بن جائے گا۔ عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا ولی اسے کہتے ہیں جو ہواؤں میں اڑتا ہو، اسے کشف ہوتا ہو، غیب کی باتیں بتاتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ خیال درست نہیں۔ اللہ کا ولی اسے کہتے ہیں جو گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتا ہو اور فرائض و واجبات ادا کرتا ہو، سنت کے مطابق زندگی گزارتا ہو، خواہ زندگی میں اسے ایک مرتبہ بھی کشف نہ ہوا ہو اور کبھی بھی ہوا میں نہ اڑا ہو۔ ہوا میں اڑنا یا کشف و کرامت کا پایا جانا نہ ولی ہونے کی لازمی شرط ہے اور نہ اس کی علامت ہے اور نہ اس سے آدمی کے درجات میں کوئی اضافہ ہوتا ہے البتہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ بعض اولیاء کو کشف و

کرامت سے بھی نواز دیتا ہے، لیکن یہ مقصود نہیں۔ اصل مقصود یہ ہے کہ انسان اللہ رب العزت کے احکام کا پابند ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی گزارے۔

لہذا اگر انسان اللہ تعالیٰ کے احکام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہو اور اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والے جو اعمال ہیں، جن میں بہت سے اس باب میں تفصیل سے آرہے ہیں، ان میں سے سب پر کچھ اختیار کرے تو وہ اللہ کا ولی ہے۔

ہماری مجلس میں یہی بیان چل رہا تھا کہ نیک کام کرنے کے طریقے بہت سے ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں چند احادیث اور ان کی مختصر تشریح ذکر کی جاتی ہے۔

پہلی حدیث کا ترجمہ:

پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کئے گئے (یعنی یہ دکھایا گیا کہ آپ کی امت کے لوگ کیا کیا اعمال کر رہے ہیں اور کیا کرنے والے ہیں، اچھے اعمال بھی دکھائے گئے اور برے اعمال بھی) آپ نے فرمایا کہ اپنی امت کے نیک اعمال میں سے ایک عمل میں نے یہ دیکھا کہ راستے میں سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا گیا۔ اور اپنی امت کی بداعمالیوں میں سے ایک بدعملی یہ پائی کہ کسی نے (معاذ اللہ) بلغم تھوک اور اسے مسجد میں ڈال دیا اور پھر اسے صاف بھی نہیں کیا گیا۔ (لفظی ترجمہ یہ

ہے کہ دفن نہیں کیا گیا)۔

تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانے کی صورتیں:

تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانے کی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً رستے میں کوئی کانٹا پڑا ہے تو اسے ہٹا دے، پتھر پڑا ہے تو اسے ہٹا دے، شاخ گری ہوئی ہے، کوئی چھلکا خصوصاً ایسا چھلکا جس سے پھسلن پیدا ہو جاتی ہے جیسے کیلے کا چھلکا، یا کوئی گندگی وغیرہ کہ جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، غرضیکہ کوئی بھی تکلیف دہ چیز نظر آئے تو اُسے راستے سے ہٹا دیا جائے۔

اور یہ صورت بھی اسی میں داخل ہے کہ اپنی گاڑی ایسی جگہ کھڑی نہ کی جائے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔ بعض لوگ اپنی سائیکل، موٹر سائیکل، کار وغیرہ ایسی جگہ کھڑی کر دیتے ہیں، جس سے لوگوں کی آمد و رفت میں خلل واقع ہوتا ہے مثلاً گیٹ کے سامنے گاڑی کھڑی کرنا وغیرہ۔

ٹریفک قوانین کی پابندی شرعاً بھی ضروری ہے:

ٹریفک کے قوانین میں جہاں نو پارکنگ (Noparking) لکھا ہوا ہے، وہ بھی ایسی جگہ ہوتی ہے کہ اگر وہاں گاڑی کھڑی کی جائے تو اس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اسی طرح بسوں کے اسٹاپ مقرر ہوتے ہیں۔ لوگ وہاں بس کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ ان میں بچے، بوڑھے، عورتیں اور کمزور ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اس جگہ اپنی کار کھڑی کر دے جہاں بس آ کر رکتی ہے تو بس وہاں اپنے سٹاپ پر رکنے کے بجائے دوسری جگہ کھڑی ہوگی اور

مسافروں کو سوار ہونے کے لئے وہاں تک جانا پڑے گا، عورتوں، بچوں اور کمزوروں کو وہاں تک پہنچنے میں دشواری ہوگی۔ اور یاد رکھئے کہ ایسی جگہ گاڑی کھڑی کرنا صرف قانوناً ممنوع نہیں بلکہ شرعاً بھی ناجائز ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے۔

راستے میں کھڑے ہوکر باتیں کرنا تکلیف دینے کے مترادف ہے:

بہت سے لوگ راستے میں کھڑے ہوکر بات چیت کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے راستہ پر چلنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ بعض لوگ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوکر ایک دوسرے سے ملاقاتیں کرتے ہیں یا کسی کا انتظار کرتے ہیں حالانکہ مسجد کا دروازہ تنگ ہوتا ہے اور مسجد سے نکلنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے، وہاں کھڑے ہونے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو:

صرف اتنی بات کافی نہیں کہ دوسروں کے لئے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دیا جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ خود بھی کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو، اس لئے کہ شرعاً کسی دوسرے کو ناحق تکلیف میں مبتلا کرنا ناجائز ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ﴾

"مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان

کو تکلیف نہ پہنچے"

(مشکوٰۃ، کتاب الایمان)

تکلیف دہ چیز ہٹانا آسان عمل ہے:

اور یہ کوئی مشکل کام بھی نہیں۔ ہم میں سے ہر شخص یہ کام بآسانی کر سکتا ہے کہ چلتے پھرتے راستہ میں جب بھی کوئی تکلیف دہ چیز نظر آئے تو اُسے راستہ سے ہٹا دے۔

اس عمل کے فضائل:

یہ عمل اگرچہ دیکھنے میں بہت آسان ہے لیکن اس کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔ ان میں سے ایک شعبہ یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا جائے۔ (مسلم، کتاب الایمان) گویا اس عمل کو ایمان کا شعبہ قرار دیا گیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص کی مغفرت اسی وجہ سے ہو گئی کہ اس نے درخت کی شاخ کو راستہ سے ہٹا دیا تھا[1]۔ وہ شاخ درخت پر لگی ہوئی تھی لیکن راستہ پر جھکی ہوئی تھی، لوگ چلتے تھے تو انہیں قدرے تکلیف ہوتی تھی، شاخ سے کوئی بڑی تکلیف نہیں ہوتی، وہاں سے بچ کر بھی گذرا جا سکتا ہے، مگر گذرنا بھی چونکہ تکلیف پر مشتمل ہے اس لئے اس نے اسے ہٹا دیا۔ اللہ رب العزت نے اس عمل کی وجہ سے اس کی مغفرت فرما دی۔

---

[1] مسلم بحوالہ ریاض الصالحین ص ۶۳

چھوٹے عمل کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے:

چونکہ اس وقت میدان حساب میں آنے والا ہے، اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ ہمارا کون سا عمل کام دے جائے گا اور کس عمل سے ہماری جان بخشی ہو جائے گی۔ اس لئے کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ لہذا اس طرح کے چھوٹے چھوٹے اعمال کرنے کا موقع ہو تو غنیمت سمجھ کر انہیں کر لیا جائے۔

لیکن بہت کم لوگ اس طرف دھیان دیتے ہیں۔ عام طور پر اسے دین کا کام ہی نہیں سمجھا جاتا۔ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ تو دنیا کا کام ہے حالانکہ یہ بہت بڑی فضیلت کا عمل ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ ویسے بھی کسی عمل کو معمولی اور حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں میاں! ہم تو بڑا کام کریں گے، چھوٹا کر کے کیا کریں گے۔ یہ بات غلط ہے۔ چھوٹا کام کرو، بڑا بھی کر لینا۔ بڑے کام کے انتظار میں چھوٹا کام چھوڑنا درست نہیں، معلوم نہیں کہ بڑے کام کی توفیق ملے گی یا نہیں؟ موقع ملے گا یا نہیں؟ اس وقت تک زندہ بھی رہیں گے یا نہیں؟ کرنے کی ہمت ہوگی یا نہیں؟ دھیان ہوگا یا نہیں؟ یاد رہے گا یا نہیں؟ ان سب چیزوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، لہذا جو کام آج ہو رہا ہے یا ہو سکتا ہے اسے کر لینا چاہئے۔

مسجد میں تھوکنا: ایک برا عمل:

اور اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بدعملی کا ذکر

یہ ہے کہ کسی نے ناک یا منہ سے بلغم نکال کر مسجد میں پھینکا اور پھر اس بلغم کو دفن بھی نہیں کیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کا لفظ اس لئے استعمال فرمایا کہ اس زمانے میں مسجد نبوی کا فرش کچا تھا۔ اس زمانے میں اگر کوئی مسجد میں تھوک دیتا یا بلغم ڈال دیتا تو اسے صاف کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ اس زمین کو کھرچ کر اسے وہیں دفن کر دیا جاتا اور اوپر سے مٹی ڈال دی جاتی۔ لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اسے صاف کیا جائے۔ آج کل ہماری مسجدوں میں عام طور پر پکے فرش ہوتے ہیں تو انہیں صاف کرنا ضروری ہوگا۔ ابتداءً کسی کپڑے وغیرہ سے صاف کر لیا جائے اور بعد میں گیلا کپڑا پھیر دیا جائے تو اچھی طرح صاف ہو جائے گا۔

مسجد کی صفائی میں غفلت:

بعض اوقات مساجد کے صحنوں میں جانور بیٹ کر دیتے ہیں اور وہ بیٹ پڑے رہتے ہیں۔ اسے صاف کرنے کی طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ عام طور پر لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ یہ کام مسجد کا خادم کرے گا۔

مسجد کی صفائی صرف خادم مسجد کے ذمہ نہیں:

یہ بات درست ہے کہ مسجد کی صفائی کرنا خادم مسجد کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ اسے تنخواہ بھی اسی کام کی ملتی ہے یہ اس کا فرض منصبی ہے اور ایسا کرنا اس کے لئے فرض عین ہے۔ اس کے بغیر اس کی تنخواہ حلال نہیں ہوگی لیکن یہ تنہا اس کا فرض نہیں بلکہ یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ جو مسلمان بھی مسجد میں داخل ہوتا ہے اگر مسجد میں کوئی گندگی کی چیز دیکھتا ہے تو اسے ہٹانا اس کی ذمہ داری ہے۔

مسجد میں تھوکنے سے پرہیز ضروری ہے:

صرف یہی نہیں کہ مسجد میں بلغم وغیرہ پڑی ہوئی ہو تو اسے ہٹایا جائے بلکہ اس بات کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ یہ چیزیں مسجد میں گرنے نہ پائیں، چنانچہ اگر نماز پڑھتے پڑھتے کسی کی ناک سے ریزش یا بلغم آجاتی ہے تو اس کا طریقہ بھی بتایا گیا کہ اسے تھوکنے کے بجائے اپنے ہی کسی کپڑے مثلاً چادر، رومال یا قمیض کی الٹی طرف سے ناک پونچھ لے کیونکہ مسجد میں تھوکنا یا ریزش، بلغم وغیرہ پھینکنا بے ادبی کی بات ہے اور اگر کسی نے پھینک دی اور کسی دوسرے نے دیکھ لی تو اس کی ذمہ داری ہے کہ مسجد کو اس سے صاف کرے۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ مسجد میں ایسی چیزیں ڈالنا جائز نہیں، دوسرا یہ کہ اگر کسی نے ڈال دی تو سب سے پہلا فریضہ ڈالنے والے کا ہے کہ وہ اسے صاف کرے لیکن اگر وہ صاف نہ کرے تو جو بھی دیکھ رہا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ اسے صاف کرے۔

دین کی باتیں یاد رکھنے کا طریقہ:

اور بھائی! بات یہ ہے کہ ہم باتیں سن تو لیتے ہیں لیکن اپنے کاموں میں لگنے اور اِدھر اُدھر متوجہ ہونے کے بعد بہت ساری باتیں بھول جاتے ہیں۔ ان کو یاد رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان پر عمل شروع کر دیا جائے ابھی ہم نے دو باتیں سنی ہیں۔ ایک یہ کہ اچھے اعمال میں سے ایک عمل یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا

جائے، دوسرا یہ کہ مسجد میں گندگی وغیرہ نظر آئے تو اسے ہٹا دیا جائے۔ ان دونوں باتوں پر آج سے عمل کرنے کا عزم کیا جائے۔

جائزہ لے کر عمل شروع کر دیں:

اور اس بات کا جائزہ لیں کہ کون کونسی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے راستہ میں ہونے کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ ان چیزوں کو راستہ سے ہٹانے کا عزم کریں اور اپنے عمل سے بھی دوسروں کو تکلیف سے بچائیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ آج جب ہم یہاں سے اٹھنے کے بعد مسجد میں جائیں تو مسجد کے صحن کو دیکھتے ہوئے جائیں جہاں کوئی گندگی کی چیز نظر آئے، اسے صاف کر دیں۔

آج سے عمل شروع کر دیں گے تو یہ حدیث یاد رہے گی اور پھر انشاء اللہ زندگی بھر کے لئے آپ کی رفیق بن جائے گی۔ پھر آپ کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہوگا کہ آپ کہیں جا رہے ہوں، وہاں تکلیف دہ چیز پڑی ہو اور آپ اسے نہ ہٹائیں۔ آپ کا دل ہی نہیں مانے گا۔ آپ کا ضمیر آپ کو آگے جانے کی اجازت نہیں دے گا اور اس طرح آپ کو ایک بہت اچھی عادت پڑ جائے گی۔

دوسری حدیث:

﴿عن ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا تحقرن من المعروف شیئا ولو ان تلقی اخاک بوجہ طلیق﴾۔

ترجمہ: ''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بھی نیک کام کو حقیر نہ سمجھنا خواہ یہ کام صرف اپنے بھائی کو مسکرا کر ملنا ہو''۔

بڑے کاموں کی توفیق کن لوگوں کو ہوتی ہے:

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ کسی بھی نیک کام کو محض اس وجہ سے چھوڑنا درست نہیں کہ یہ تو چھوٹا سا کام ہے، ہم کوئی بڑا کام کریں۔ عام طور پر دیکھا گیا جو لوگ چھوٹے چھوٹے نیکی کے کاموں کو حقیر سمجھ کر اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ بڑے بڑے کام کریں گے تو ایسے لوگوں کو بڑے کاموں کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ بڑے اور عظیم کاموں کی توفیق بھی انہی لوگوں کو عطا فرماتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے کاموں کی قدر کرتے ہیں اور انہیں حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑتے۔ کیا معلوم کہ یہی کام آخرت میں جنت کا ذریعہ بن جائے۔

مسکرانے کی عادت ڈالنی چاہئے:

ان چھوٹے کاموں میں سے ایک کام کسی مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہے یعنی کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی ایک نیکی اور ثواب کا کام ہے، اس ثواب کے کام کو بھی حقیر سمجھ کر چھوڑنا درست نہیں۔ بلکہ اس کی عادت ڈالنی چاہئے۔

بعض لوگوں کے نہ مسکرانے کی وجوہات:

بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کبھی مسکراتے ہی نہیں۔ ہر وقت ان کا

چہرہ مغموم رہتا ہے، ماتھے پر شکنیں پڑی رہتی ہیں۔ دوسرا آدمی دیکھ دیکھ کر ڈرتا رہتا ہے کہ نجانے یہ کب ناراض ہو جائے اور کب اسے غصہ آجائے۔

اس کی مختلف وجوہات ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ عادت کسی بیماری کی وجہ سے پڑ جاتی ہے۔ ہر وقت بیماری کی تکلیف اور شدت کی وجہ سے غمگین رہتے ہیں، چہرے پر مسکراہٹ نہیں آتی۔ بعض لوگوں کو زیادہ مصروفیات اور تفکرات کے کاموں میں گھرے رہنے کی وجہ سے یہ عادت پڑ جاتی ہے کہ کاموں اور تفکرات کی وجہ سے پریشان سے رہتے ہیں، اس لئے چہرہ پر مسکراہٹ نہیں آتی۔ بعض لوگوں میں زیادہ غموں اور صدموں کے آنے کی وجہ سے یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر غیر اختیاری طور پر کسی مجبوری کی وجہ سے یہ حالت پیش آجائے کہ آدمی کی عادت مسکرانے کی نہ رہے تو یہ معاف ہے لیکن ہر شخص کو تو یہ مجبوریاں لاحق نہیں ہوتیں۔ اس لئے عام حالات میں اس کی عادت بنانا درست نہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا کہ جب بھی کسی سے ملتے تو مسکرا کر ملتے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوں اور آپ نے مسکرا کر مجھ سے ملاقات نہ کی ہو۔ بس جب بھی آپ سے ملتے تو آپ کے چہرے پر تبسم ہوتا تھا[1]۔ لوگوں سے مسکرا کر ملنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی محبوب اور خاص سنت ہے۔ آپ جس سے بھی ملتے تھے تو آپ کے چہرے پر تبسم ہوتا تھا ہاں اگر کبھی کوئی گناہ ہوتا دیکھتے تو اس وقت آپ پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہو جاتے لیکن عام عادت مسکرانے کی تھی، گھر میں داخل ہوتے تو

---

[1] شمائل ترمذی، باب ما جاء فی ضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کے چہرۂ انور پر تبسم ہوتا تھا، کوئی ملتا تو مسکراہٹ کے ساتھ اسے ملتے، مصافحہ کرتے تھے تو چہرے پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔

مسکرانے کے فوائد:

یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بڑی اور بہترین سنت ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو اپنا لے تو اس کو اپنی زندگی میں اتنی آسانیاں میسر آئیں گی کہ ان کا تصور کرنا مشکل ہے اس کے ساتھ ساتھ اس عمل پر زبردست ثواب بھی ہے، اس لئے کہ جس شخص سے آپ مسکرا کر ملیں گے، اس کے دل میں ٹھنڈک پڑ جائے گی۔ اس طرح دوسرے مسلمان کو خوش کرنے کا ثواب آپ کو ملے گا۔ اور اگر آپ اس عادت کو جاری رکھیں گے تو دنیا میں اس کا فائدہ یہ بھی ظاہر ہوگا کہ سب لوگ آپ سے محبت کریں گے، ہر ایک آپ کی بات توجہ سے سنے گا اور آپ کی بات ماننے کی کوشش کرے گا اور آپ کے ساتھ تعاون کرے گا۔

آپ کسی سے کوئی بات بغیر مسکرائے کر کے دیکھیں اور پھر وہی بات مسکرا کر کریں۔ آپ خود محسوس کریں گے کہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ جو بات آپ نے مسکرا کر کی اس کا اثر کچھ اور ہوگا اور جو بغیر مسکرائے کی، اس سے فرق پڑے گا۔

آپ اس کی عادت بنا کر تجربہ کیجئے، تاجر اپنے گاہک کے ساتھ مسکرا کر بات کرے، افسر اپنے ماتحت کے ساتھ مسکرا کر بولے، ماتحت اپنے افسر کے ساتھ، استاد شاگرد کے ساتھ اور شاگرد استاد کے ساتھ مسکرا کر بات کر کے دیکھے وہ خود بخود اس کا فرق محسوس کریں گے۔

بتکلف مسکرانے کی کوشش کرے:

میں یہ چاہتا ہوں کہ آج سے آپ اسکی مشق شروع کر دیں۔ مشق کے بغیر اس کی عادت بننا مشکل ہے۔ صرف سننے اور علم میں لانے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا، بلکہ اس کی عادت ڈالنی پڑے گی۔ اگر کسی غم، پریشانی یا تکلیف وغیرہ کی وجہ سے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آ رہی تو بتکلف مسکرانے کی کوشش کریں، رفتہ رفتہ تکلف کے بغیر خود بخود مسکرانے کی عادت پڑ جائے گی اور پھر آپ جب بھی کسی سے بات کریں گے تو مسکرا کر کریں گے۔

سنت کی اہمیت:

دیکھئے کہ اگرچہ دیکھنے میں یہ ایک چھوٹی سی سنت ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک بہت بڑی سنت ہے، یہ دنیا و آخرت بنانے والی سنت ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ سنت ایسی چیز ہے کہ جو شخص اسے اپنائے گا، وہ انسانوں کا محبوب بن جائے گا، دنیا اسے عزت کی نظر سے دیکھے گی، اس سے محبت کرے گی اور اس کی پیروی کرے گی۔

ہمارے ہاں اس سنت پر بہت کم عمل ہوتا ہے:

اس بات سے بہت ہی دل دکھتا ہے کہ ہمارے ہاں اس سنت پر عمل کرنے کا رواج بہت ہی کم ہے۔ بہت کم لوگوں کے چہروں پر ملاقات کے وقت مسکراہٹ نظر آتی ہے، دکان پر جائیں، دکاندار کے چہرے پر مسکراہٹ کم نظر آئے گی، گاہک کے چہرے پر مسکراہٹ کم نظر آئے گی، دو عام ملاقاتیوں کے چہروں پر مسکراہٹ بہت کم نظر آتی ہے۔ ہمارے ہاں اس سنت پر بہت کم عمل کیا جاتا ہے۔

اہل یورپ کی ایک اچھی عادت:

لیکن بہت ہی دکھے دل سے کہتا ہوں کہ بہت سے وہ اعمال جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سکھائے تھے اور ہم نے ان پر عمل کرنا تقریباً چھوڑ دیا لیکن یورپ کے لوگوں نے انہیں اختیار کر لیا۔ یہ اعمال وہ تھے جو دنیاوی ترقی کے لئے بے نظیر تھے چونکہ وہ لوگ صرف دنیا کے طالب ہیں تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کو لے لیا جن سے دنیاوی ترقیاں ملتی ہیں اور چونکہ انہیں آخرت سے کوئی سروکار نہیں اور آخرت پر ان کا عقیدہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس لئے آخرت سے متعلق تعلیمات کو چھوڑ دیا۔ مسکرانے کا عمل ایک ایسا عظیم عمل ہے کہ جس کی وجہ سے زبردست دنیاوی ترقیاں ہوتی ہیں چنانچہ انہوں نے اس عمل کو اپنا لیا اور اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

برطانیہ اور سوئٹزر لینڈ کے لوگوں کی عادت:

اب وہاں کی حالت یہ ہے کہ یورپ کے مختلف ممالک خصوصاً برطانیہ، سوئٹزر لینڈ اور بعض دیگر ممالک میں مسکرانے کی عادت عام ہے۔ برطانیہ میں آپ جس سے بھی ملاقات کریں گے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت وہ مسکرا کر بات کرے گا۔ آپ کسی سے راستہ پوچھیں، وہ مسکرا کر جواب دے گا حالانکہ وہ آپ کا کام کر رہا ہے۔

وہاں سپاہی مسکرا کر چالان کرتا ہے:

حتیٰ کہ وہاں پر پولیس والا سپاہی بھی مسکرا کر چالان کرتا ہے۔ ان کے

یہاں چالان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پولیس والا آتا ہے اور ہاتھ میں ایک ٹکٹ تھما دیتا ہے، اس ٹکٹ پر لکھا ہوتا ہے کہ آپ فلاں تاریخ تک اتنی رقم عدالت میں جمع کرادیں، اگر جمع نہیں کرائیں گے تو آپ کی گاڑی ضبط ہو جائے گی۔ لیکن ٹکٹ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آئے گا، گڈ مارننگ (Good morning) کہے گا، مسکرا کر اسے ٹکٹ دے گا اور پھر کہے گا very sory (معاف کرنا) مسکرا کر اسے رخصت کرے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں کسی شخص کا پولیس والوں سے جھگڑا نہیں ہوتا جب کہ یہاں آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یہاں پر پولیس والے بدتمیزی سے بات کرتے رہتے ہیں حالانکہ انہیں یہ حق حاصل نہیں کہ کسی سے بدتمیزی سے بات کریں، انہیں چالان کرنے کا تو حق ہے لیکن بدتمیزی سے بات کرنے کا حق نہ انہیں قانون نے دیا ہے اور نہ شریعت نے دیا ہے۔ برطانیہ میں اس بات کی پابندی کی جاتی ہے کہ پولیس والا مسکرا کر بات کرے، بدتمیزی اور سخت لہجے میں بات نہ کرے۔

برطانیہ اور سوئٹزرلینڈ میں تقریباً سو فیصد یہ عادت پائی جاتی ہے کہ جب بھی کسی سے بات کریں گے، پوچھیں گے یا کسی بات کا جواب دیں گے تو مسکرا کر بولیں گے اور دیگر بعض ممالک میں بھی یہ عادت بکثرت پائی جاتی ہے۔

مسکرانے کے معاشرتی اثرات:

اس عادت کو اپنانا ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم آج سے اس پر عمل شروع کریں اور اگر ملتے وقت کسی کو مسکرانا یاد نہ رہے تو اسے یاد دلا دیں کہ

بھائی آپ مسکرائے نہیں۔ اگر آپس میں اس کا معمول بنا لیا جائے اور بھولنے کی صورت میں یاد دہانی کرائی جانے لگے تو ہمارے معاشرے میں شہد گھل جائے۔ ہمارے درمیان جو تلخیاں، کشیدگیاں اور نفرتیں پھیلی ہوئی ہیں، وہ سب کی سب ختم ہو جائیں۔ اور ہماری زندگی جنت والی زندگی کا نمونہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)
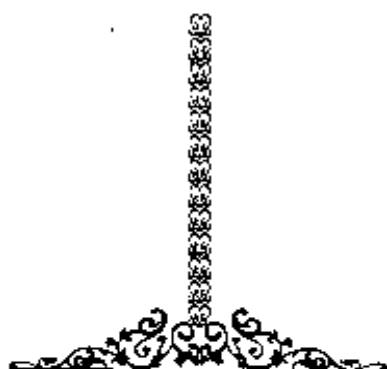
وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

محبتِ رسول اور اُس کے تقاضے

موضوع: محبت رسولؐ اور اس کے تقاضے

بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: عبدالمقتدر سلجوقی صاحب

باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے تقاضے﴾

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔ اما بعد! ﴿عن انس رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین﴾

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عظمت شان

معزز حاضرین اور محترم خواتین، جو حدیث میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کو پورے دس ۱۰ سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس طرح رہنے کا موقع ملا، جس طرح گھر کا کوئی بچہ ہوتا ہے اور ایسا لگتا تھا کہ یہ آپ کے بیٹے ہیں، اور انہوں نے دل وجان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب خدمت بھی کی ہے۔ پھر بچپن میں جو باتیں آدمی سن لیتا ہے وہ یاد بھی رہتی ہیں، چنانچہ ان کو بہت احادیث یاد بھی تھیں اور بہت سی حدیثیں انہوں نے امت کو پہنچائیں۔ ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ! ان کی عمر میں بھی برکت عطا فرما اور ان کی اولاد میں بھی برکت عطا فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا تھی، عمر میں تو برکت کا حال یہ ہوا کہ ان کا شمار تقریباً ان صحابہ کرام میں سے ہے جن کا انتقال بالکل آخر میں ہوا ہے، سن ۹۳ ہجری میں ان کا انتقال ہوا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تراسی ۸۳ سال زندہ رہے جب کہ ان کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت تقریباً دس ۱۰ سال ہو چکی تھی اس طرح آپ کی عمر ایک سو تین ۱۰۳ سال ہوئی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر میں برکت عطا کی اور اولاد میں برکت کا یہ حال تھا کہ جب حجاج بن یوسف کا زمانہ آیا، اس وقت تک یہ اپنی اولاد کی اولاد میں چالیس ۴۰ سے زیادہ کو دفن کر چکے تھے، اب اندازہ کیجئے، جو اولاد زندہ تھی وہ کتنی ہوگی، ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد سینکڑوں میں تھی، اسی طرح ان کے مال اور پیسے میں بھی اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی۔

محبت رسول ﷺ کا معیار

بہرحال، حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنا رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

﴿لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین﴾

"تم میں سے کوئی آدمی پورا ایمان دار اور پورا مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہوجاؤں۔"

یعنی جب تک میری محبت کسی کے دل میں اپنے باپ سے اپنی اولاد سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ نہ ہوگی، اس وقت تک وہ شخص پورا مومن نہیں ہے اس کا ایمان پورا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان مکمل ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے ماں باپ سے اپنی اولاد سے اور تمام دنیا کے انسانوں سے زیادہ ہو اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا بلکہ ادھورا اور ناقص رہتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان یہی تھی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کے دین پر اور آپ کی محبت پر سب کچھ قربان کردیا تھا۔ اسی سلسلے کی ایک اور حدیث، جس میں اسی ارشاد کی مزید تفصیل موجود ہے، اسے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

﴿لایؤمن عبد حتی اکون احب الیه من ماله واهله والناس اجمعین﴾

"کوئی بندہ پورا مومن نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے گھر والوں سے اس کے مال سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔"

(نسائی، کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان)

اس روایت میں سارے گھر والوں کا ذکر آ گیا، جس میں بیوی بچے سب شامل ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے تمام رشتہ داروں پر، ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبتوں پر غالب نہ آ جائے اور ہمارے جتنے بھی اموال ہیں، روپیہ پیسہ ہے، زیورات ہیں ساز و سامان ہے، ان سب پر جب تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب نہ آ جائے آدمی کا ایمان پورا اور مکمل نہیں ہوتا۔

حضرت فاروق اعظمؓ اور محبت رسول ﷺ

آپ جانتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور جانباز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ اشارے پر سب کچھ لٹانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ان کی محبت کا حال یہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس کے ایک سال بعد اسلام اور کفر کے درمیان سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر ہوا۔ کفار مکہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اور مسلسل دشمنیاں کرتے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ پر حملہ آور ہو گئے۔ مدینہ طیبہ کے قریب "بدر" کی جگہ میں لشکر کفار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہؓ کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ ۳۱۳ تھی اور کفار مکہ کی تعداد ایک ہزار تھی، کفار مکہ سب سواریوں پر تھے اور طرح طرح کے ساز و سامان سے مسلح تھے جبکہ مسلمانوں کے پاس بمشکل سے دو گھوڑے تھے، اور صرف ستر ۷۰ اونٹ تھے، باقی سب پیدل تھے، بہت سوں کے پاؤں میں جوتے تک نہیں تھے، بہت سوں کے پاس تلواریں تک نہیں تھیں، سب تقریباً نہتے تھے۔ جب لشکر اسلام دشمن کے مقابلے پر جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا، کہ تم ہمیں مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہئے، جنگ کی جائے یا نہ کی جائے؟ جنگ کی جائے تو کس طرح کی جائے؟ اس پر مختلف حضرات نے مشورے دیئے، اس موقع پر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ پہلا موقع ہے کہ آپ کے دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہونے والا ہے، اور آج ہمیں اپنی محبت کا ثبوت آپ کے حضور پیش کرنا ہے۔ آج ہماری محبت کا اور ہمارے ایمان کا امتحان ہو رہا ہے اس واسطے میری تجویز یہ ہے کہ دشمن کی طرف سے ابوبکر کے باپ ابوقحافہ آ رہے ہیں، ابوبکر کو آپ حکم دیجئے کہ وہ بڑھ کر اپنے باپ ابوقحافہ کو قتل کرے تاکہ دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی ذات گرامی ہمیں اپنے باپ سے زیادہ محبوب ہے۔ اور یا رسول اللہ میرا حقیقی بھائی کفار کی طرف سے لڑنے کے لئے آ رہا ہے، مجھے اجازت دیجئے کہ میں تلوار سے اس کی گردن اڑاؤں، اور فلاں کا بھائی آ رہا ہے، فلاں کا بیٹا آ رہا ہے، ہر ایک اپنے اپنے رشتہ دار کی گردن اڑائے، تاکہ دنیا کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ہمارے نزدیک آپ کی محبت کے سامنے ساری محبتیں ہیچ ہیں۔

دشمنوں کے ساتھ آپ کا سلوک

لیکن تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین بن کر بھیجے گئے۔ آپ نے دشمنوں کے بارے میں بھی حفظ مراتب کا لحاظ رکھا، چنانچہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب میں فرمایا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ بیٹا اپنے باپ کو قتل کرے بلکہ کوئی اور قتل کرے، اور ابوبکر اپنے باپ کو قتل نہ کرے، ہاں اگر باپ قتل کرنے کیلئے حملہ آور ہو جائے، اور ابوبکر کو اپنی جان بچانے کے لئے باپ پر تلوار اٹھانی پڑے تو اس کی گنجائش ہے۔ دیکھئے! رحمۃ للعالمین کفار اور دشمنوں کے حقوق کی بھی رعایت کر رہے ہیں اور ابوبکر سے کہہ رہے ہیں کہ عین حالت جنگ میں بھی تم اپنے باپ کو نہ مارنا۔

فاروق اعظمؓ کا مقام خشیت

بہرحال، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابی ہیں۔ انہوں نے جب یہ حدیث سنی کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہر مال و دولت سے اور تمام عزیز و اقارب ماں، باپ، بیوی بچوں سے زیادہ محبوب نہیں ہو سکتے، اس وقت تک ایمان کامل نہیں ہوگا، تو ان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہیں۔ لہذا میرا ایمان کامل نہیں ہے، چنانچہ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

﴿انت یا رسول اللہ احب الی من کل الا من نفسی﴾

"یا رسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں،

لیکن اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہیں"۔

اپنی جان کی محبت میں اپنے دل میں زیادہ محسوس کرتا ہوں، اب میرا ایمان کامل اور پورا ہے یا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے عاشق کو صاف جواب دیدیا اور فرمایا:

﴿لا والذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیک من نفسک﴾

"پھر تو تمہارا ایمان بھی ناقص ہے، مکمل نہیں ہے، یہاں تک کہ میں تمہیں اپنی جان سے زیادہ محبوب ہو جاؤں"۔

یعنی اگر اپنی جان اللہ کے رسول سے زیادہ محبوب ہے تو ایمان کامل نہیں ادھورا اور ناقص ہے، مگر یہ بھی فاروق اعظم تھے، انہوں نے فوراً عرض کیا:

﴿فانک الان واللہ احب الی من نفسی﴾

"کہ پھر تو اب آپ میرے نزدیک اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں"۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الان یا عمر تم ایمانک﴾

ایک شبہ کا ازالہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر عجیب بات لکھی

ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب یہ کہہ رہے تھے کہ آپ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، لیکن میری جان سے زیادہ محبوب نہیں، تو بات یہ نہیں تھی کہ اس وقت حقیقتاً ان کے دل میں محبت کم تھی، اور بعد میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان محبت کے بغیر کامل نہیں ہوگا، تب محبت کامل پیدا ہوئی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ آدمی کو اگر چوٹ لگتی ہے، مثلاً چاقو کا زخم آگیا، پیٹ میں درد ہوگیا، سر میں درد ہوگیا، یا کوئی اور زبردست تکلیف پر اپنی تکلیف کا جتنا اثر ہوتا ہے، اتنا اثر دوسرے کی تکلیف کا نہیں ہوتا، تو شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا اثر اتنا نہ ہو، اور شاید یہ اس بات کی علامت ہے کہ میرے دل میں حضور ﷺ کی محبت کم ہے۔ اس لئے یہ شبہ پیدا ہوا، لیکن پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اب تو آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، یہ اس وجہ سے کہا کہ اس عرصے میں انہوں نے غور کیا کہ الحمدللہ! یہ بات نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنی جان سے کم ہے، بلکہ اگر خدانخواستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی دشمن حملہ آور ہو، یا کوئی سانپ یا بچھو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تکلیف سے بچانے کے لئے میں اپنی جان کی بازی لگادوں گا یا نہیں؟ دل نے گواہی دی کہ لگادوں گا، تو انہوں نے فرمایا کہ الحمدللہ! آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

محبت رسول ﷺ میں صحابہ کی جانثاری

صحابہ کرامؓ کے حال کا کیا کہنا، حقیقت یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے محبت کے ایسے حسین نمونے چھوڑے ہیں کہ ان کی نظیریں پھر دنیا نے نہیں دیکھیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جنگ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو ساتھ

لے کر میدانِ احد میں دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے تشریف لے گئے، چونکہ اندازہ یہ تھا کہ معرکہ سخت ہونے والا ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں جانے کے لئے لوہے کی ٹوپی پہنی ہوئی تھی، اور دو زرہیں اوپر نیچے پہنی ہوئی تھیں۔ اس جنگ میں منافقین کا ایک گروہ جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا، وہ بھی ساتھ تھا، لیکن اس نے یہ پلان بنا رکھا تھا کہ جب دشمن سے مقابلہ شروع ہوگا تو ہم میدان سے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ منافقین کی سوچ تھی، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی جگہ جنگ ہو رہی ہو، مثلاً ایک طرف مقابلہ کرنے والا ایک ہزار ہیں اور دوسری طرف تین ہزار ہیں، اب چاہے ایک ہزار لڑنے والے کتنے ہی بہادر ہوں، اگر ان میں سے تین سو آدمی یکدم بھاگ پڑیں اور پیٹھ دکھا دیں تو لڑنے والے بڑے بڑے بہادروں کے بھی پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ تو منافقین کا منصوبہ یہی تھا کہ جب جنگ شروع ہوگی تو ہم تین سو آدمی وہاں سے پیچھے کی طرف بھاگ کھڑے ہوں گے تاکہ لڑنے والے مجاہدین کے پاؤں اکھڑ جائیں اور مسلمانوں کو شکست ہو جائے، اور سرکارِ دو عالم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جو آفتاب رسالت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ یہ بدنیت لوگ اس آفتاب کو بجھانے کے درپے تھے، چنانچہ منافقین بھاگ کھڑے ہوئے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹے، لیکن شروع میں فتح ہوئی اور مسلمان دشمنوں کا تعاقب کرنے لگے، لیکن ایک دستے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ مقرر کیا تھا اور اس دستے کے سربراہ کو آپ نے بار بار تاکید فرمائی تھی کہ ہمیں فتح ہو یا شکست ہو، تکلیف ہو یا راحت ہو، تم یہاں سے مت ہلنا، کیونکہ وہ مقام بہت اہم تھا۔

اطاعتِ امیر سے بے احتیاطی کا نتیجہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے دشمن کو شکست فاش دی اور ان کا تعاقب کرنے لگے، تو اس وقت دشمن کا ایک بڑا دستہ اسی جگہ پر پہاڑ کے

پیچھے چھپا ہوا تھا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا دستہ مقرر کیا تھا لیکن جب دستے کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح ہورہی ہے تو انہوں نے اپنے امیر سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا مقصد تو یہ تھا کہ جب جنگ ہورہی ہو اس وقت تک یہاں سے مت ہٹنا، اب تو جنگ ختم ہوگئی اور دشمن بھاگ کھڑا ہوا، لہٰذا اب آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم بھی آگے چلے جائیں، امیر نے روکنے کی بہت کوشش کی مگر آخر لوگ چلے گئے اور وہ مورچہ خالی ہوگیا۔ دشمن نے وہیں پشت سے زبردست حملہ کیا اس حالت میں کچھ صحابہ کرامؓ کے پاؤں اکھڑ گئے اور کچھ صحابہ کرامؓ بھاگ کھڑے ہوئے۔ دشمن اس کوشش میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنائے۔ چنانچہ دشمن نے دیکھ لیا کہ دو جہاں کے سردار کونین صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ پر موجود ہیں اس وقت آپ کے ساتھ چند صحابہ کرامؓ تھے جن میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چند انصاری نوجوان تھے۔ چونکہ دشمن کے اچانک حملے سے صحابہ کرامؓ میں بھگدڑ مچ گئی تھی اور افراتفری پھیل گئی تھی تو کسی کو کسی کی خبر نہ رہی اور کسی کو یہ بھی معلوم نہ رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ ہر ایک تلاش کر رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر نظر نہیں آرہے تھے۔

حضرت انسؓ کے خاندان کا عشق رسول

اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پورے گھرانے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق دیا تھا۔ ان کے والد ابوطلحہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے تھے، بیٹے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے سچے عاشق تھے اور حضرت انس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ام سلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ بھی تھیں۔ جب افراتفری مچی تو کچھ صحابہ کرامؓ تو واپس لوٹ رہے تھے اور کچھ صحابہ کرامؓ پر عجیب بے خودی کی سی کیفیت طاری ہوئی اور ان کے ہاتھوں سے تلواریں گرنے لگیں، کچھ صحابہ کرامؓ بے خود ہو کر بیٹھ گئے۔ لیکن یہ ام سلیم دوڑتی ہوئی لشکر کی طرف جا رہی تھیں اور یہ آواز لگا رہی تھیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں" بے تحاشا دوڑ رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہی تھیں۔ کسی نے کہا ام سلیم! تمہارا بھائی شہید ہو گیا، تو کہا مجھے بھائی کی پرواہ نہیں، مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حیات ہیں یا نہیں؟ اس وقت دشمن نے یہ بات مشہور کر دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے۔ ام سلیم کو ان کے مختلف رشتہ داروں کے بارے میں بتایا گیا کہ تمہارا فلاں شہید ہو گیا، تمہارا فلاں شہید ہو گیا، لیکن سب کے جواب میں انہوں نے کہا کہ مجھے تو ان کی پرواہ نہیں، مجھے تو آفتاب رسالت کا حال معلوم کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہو جائے تو مجھے چین آئے گا۔ یہ حالت تو ام سلیم کی تھی اور ادھر دشمن نے تاجدار دو عالم، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنایا تھا، چونکہ آپ کے ساتھ صرف چند صحابہ کرامؓ تھے اس لئے کافروں نے اپنی پوری طاقت خرچ کر ڈالی کہ تیروں کی بارش سے اس آفتاب رسالت کو بجھا دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تیروں کی بارش آنے لگی، دشمن کی یلغار تھی، ہر طرف سے دشمن کا نرغہ تھا، اور مٹھی بھر چند جاں نثار صحابہ کرامؓ آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت ابودجانہ کی بے مثال قربانی

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے عشق و محبت کی جو داستانیں چھوڑی ہیں،

وہ اہل ایمان کے لئے مشعل راہ ہیں۔ حضرت ابودجانہؓ اٹھے اور ان کے دل میں بس ایک ہی تدبیر آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے اور تیروں کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بن گئے، تاکہ جو تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آرہے ہیں۔ وہ سارے ابودجانہ کی پشت میں پیوست ہوجائے اور تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بیکا نہ ہونے پائے۔ اب دیکھئے یہ ہے کہ عشق، ایثار، جانثاری اور پروانہ پن! کہ عین اس حالت میں بھی جبکہ جانوں کی پڑی ہوئی ہے، ابودجانہؓ تیروں کی بارش کو اپنی پشت پر روکنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوگئے۔

عشق اور دانائی کا حسین امتزاج

عین جنگ کی حالت میں بھی حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادب کا کتنا خیال رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کرکے کھڑے نہیں ہوئے، یوں بھی تو کرسکتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوجاتے اور تیروں کی طرف سے اپنا منہ اور سینہ کردیتے، لیکن اس وقت بھی ایسا نہیں کیا اور ادب کا لحاظ رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت نہ ہو اور سینہ و چہرہ آپ کی طرف رہے۔ ایسا کرنے میں ایک اور حکمت بھی تھی اور وہ بھی ان کے ایمان اور محبت کی بناء پر تھی، وہ حکمت یہ تھی جب تیروں کی بارش آئے گی تو یہ خطرہ تھا کہ کہیں غیر ارادی طور پر اگر میں ذرا سا مائل گیا، تو تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لگ جائے گا، اور جب پشت ہوگی تو مجھے پتہ نہیں چلے گا کہ کب تیر آرہا ہے کب نہیں، اس میں بچنے کا امکان کم ہے تو حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حکمت و دانائی کو عشق کے ساتھ جمع کیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ عشق کے ساتھ دانائی جمع نہیں ہوتی، اور دانائی کے ساتھ عشق جمع نہیں ہوتا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ مثالیں چھوڑی ہیں کہ عشق

کے ساتھ حکمت کو بھی جمع کیا ہے اور عشق کے ساتھ جنون کو بھی جمع کیا ہے۔ عشق اپنے مقام پر ہے حکمت اپنے مقام پر ہے اور شریعت کے احکام کی پابندی اپنے مقام پر ہے۔ انہوں نے ادب واحترام میں ذرہ برابر بھی کوئی بے احتیاطی نہیں ہونے دی۔ حضرت ابو دجانہؓ اور چند صحابہ کرامؓ کے علاوہ باقی سب حضرات منتشر تھے۔ اس موقع پر دشمنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی تلواروں سے یلغار کی۔

ایفاءِ عہد کی تجدید

چند انصاری نوجوان صحابی آپ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب ہم نے آپ کو مدینہ طیبہ آنے کی دعوت دی تھی، تو یہ عہد کیا تھا کہ آپ کے اوپر آنچ آنے نہیں دیں گے۔ ہم اپنی جانیں آپ کے سامنے قربان کریں گے۔ آج اس عہد کو پورا کرنے کا وقت آ گیا ہے، ہمیں وہ عہد یاد ہے۔

ہم راہِ وفا میں کٹ آئے

چنانچہ ایک نوجوان آگے بڑھا، اپنی تلوار اور تیروں سے دشمن کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا، دوسرا بڑھا، وہ بھی زخمی ہو کر گر پڑا، تیسرے نے مقابلہ کیا، کچھ کافروں کو مارا، لیکن کافروں کا مجمع بہت بڑا تھا، اس لئے وہ بھی زخمی ہو کر گر پڑا، یہاں تک کہ ایک ایک کر کے شہید ہو رہے تھے اور زخمی ہو کر گر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نوجوان جو زخمی ہو کر گر پڑے تھے، خون بے تحاشا بہہ رہا تھا، یقین تھا کہ اب میری جان نکلنے والی ہے، تو لیٹے لیٹے اور گھسٹتے گھسٹتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آ کر گر پڑے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! اللہ کے سامنے آپ گواہی دیجئے گا کہ ہم نے عہد پورا کیا ہے۔ لیکن اس وقت لشکر کفار نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو اور نرغے میں لے لیا تھا، جو صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے، وہ ایک ایک کر کے شہید ہو رہے تھے، تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر آگے بڑھے اور کفار کا مقابلہ تلوار سے کیا، بالآخر لڑتے لڑتے ان کی تلوار بھی ٹوٹ گئی، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے سوائے ہاتھوں کے ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، چنانچہ دشمنوں کے مقابلے میں اپنے ہاتھ رکھ دیئے، اس میں زخمی ہوئے اور ہاتھ شل ہو گیا، پھر پوری عمر اسی حالت میں رہے۔ اس عرصے میں صحابہ کرامؓ کو جب یہ پتہ چلا کہ ہمارے سید الاولین والآخرین، ہمارے امام و مقتدا اور ہمارے ہادی و رہنما یہاں تشریف فرما ہیں، تو صحابہ کرامؓ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے اور اس سے سرزمین احد پر خون بہا، لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان صحابہ کرامؓ نے محبت کا کیسا حق ادا کیا الحمدللہ! صحابہ کرامؓ میں سے ایک ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا عاشق تھا کہ اس کے سامنے دنیا کی کوئی چیز اتنی محبوب نہیں تھی۔ انسان کو سب سے زیادہ محبوب اپنی جان ہوتی ہے، جان سے زیادہ کوئی پیارا نہیں ہوتا لیکن صحابہ کرامؓ نے عملی نمونہ پیش کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبت فرمائی۔

آج کے دور میں محبت رسول ﷺ کی چنگاریاں

آج اگرچہ ہمارے اعمال بہت خراب ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلم مائیں اب بھی ایسے بیٹے جن رہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ کشمیر میں مجاہدین اسلام اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ کشمیر میں یہ ننھے مجاہدین، جن میں نوجوان اور چھوٹے لڑکے بھی شامل ہیں، ہندوستان کی چھ ۶ لاکھ فوج سے

بے سروپا کار ہیں۔ یہ لڑائی کس جذبے سے ہے؟ یا وہ پیسے کی ہوس ہے؟ مال غنیمت
کے ملنے کا وہاں تو سوال ہی نہیں، وہاں تو جان ہی جا رہی ہے، وہاں تو ہندوستانی فوج
اتنے بڑے پیمانے پر قتل عام کر رہی ہے، جب میں ایک دوسرے ملک میں گیا ہوا تھا۔
وہاں ایک مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی، وہ ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور
مقبوضہ کشمیر سے ہو کر آئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ مقبوضہ کشمیر کے سارے قبرستان کڑیل
نوجوانوں سے بھر چکے ہیں۔ اب قبرستانوں میں مزید دفنانے کی جگہ نہیں رہی۔ ایک
طرف یہ نہتے نوجوان ہیں اور دوسری طرف ہر طرح کے اسلحے سے لیس فوج ہے۔ لیکن
یہ سارے نوجوان اتنی بڑی طاقت سے کس لئے ٹکرا رہے ہیں؟ مائیں اپنے لخت جگر
بیٹوں کو شہادت کے لئے میدان جہاد میں کیوں بھیج رہی ہیں؟ کہ بیٹے! جاؤ، اگرچہ
تمہاری جان چلی جائے لیکن دین پر حرف نہ آنے دینا۔ الحمد للہ! ان کا جذبہ صرف
ایک ہے اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت۔

جہاد کے ثمرات

بہرحال، ایمان تو اس محبت کے بغیر پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اگر مائیں اپنے
بیٹوں کو اس طریقے سے جہاد میں نہ بھیجا کرتیں تو آج ہم پاکستان میں مسلمان نہ
ہوتے۔ یہ سارا ملک کفرستان ہوتا۔ یہاں اذانوں کی آوازیں سنائی نہ دیتیں۔ اللہ کو
ماننے والا کوئی نہ ہوتا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیوا بھی کوئی نہ
ہوتا۔

مومن ماؤں کے جگر گوشے

یہ ان ماؤں کو اپنے رسول ﷺ سے عشق تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹوں اور

جگر کے ٹکڑوں کو جن کی خاطر بچپن میں اپنی نیند کو چھوڑا تھا، اپنے سارے آرام وراحتوں کو قربان کیا تھا، اپنی جوانی کی ساری لذتوں کو قربان کیا تھا۔ جب اسلام کو ان بیٹوں کی قربانی کی ضرورت پیش آئی تو ان ماؤں نے اپنے لخت جگر بیٹوں کو آگے کر دیا۔ ان ہی مومن ماؤں کے بطن سے خالد بن ولید، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد اور سلطان ٹیپو جیسے سپوت پیدا ہوئے اور انہی ماؤں نے محمود غزنوی، قتیبہ بن مسلم اور سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے فاتحین پیدا کئے۔ انہوں نے ان بچوں کو اس لئے پالا تھا اور دودھ اس واسطے پلایا تھا کہ جب دین کو ان کی جانوں کی ضرورت ہوگی۔ تو یہ بیٹے لشکر اسلام میں سب سے آگے ہوں گے۔

ناموس رسالت کے لئے جانثاری کا تاریخی واقعہ

الحمد للہ! جو بھی مومن ہوتا ہے۔ اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہر چیز سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنی اولاد، بیوی اور شوہر سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ آپ نے واقعہ سنا ہوگا کہ انگریزی دور حکومت میں ایک ہندو خبیث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کیں اور ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا " رنگیلا رسول "۔ العیاذ باللہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمتیں لگائیں اور آپ کے بارے میں بڑی شرمناک باتیں کہیں۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں بجا طور پر اضطراب پھیل گیا، جلسے، جلوس اور مظاہرے ہونے لگے کہ اس کو پکڑ کر سزا دی جائے مسلمانوں نے عدالت میں اس خبیث کے خلاف جس نے شان رسالت میں گستاخی کی، مقدمہ دائر کیا تو ایک شخص جس کا نام علم الدین تھا اس نے نہ کوئی علم دین حاصل کیا اور نہ کوئی اللہ والوں میں اس کا شمار تھا، بلکہ ایک آزاد منش نوجوان تھا۔ اسکو جب پتہ چلا کہ بدنام زمانہ راجپال نے شان رسالت میں ایسی گستاخی کی تو اس کی

غیرت ایمانی کو جوش آیا اور گستاخ رسول راجپال کو سر بازار جہنم واصل کر کے خود تختہ دار پر چڑھ کر حیات جاودانی حاصل کر گیا۔ اس علم الدین نے شہادت کا درجہ پایا جس کی زندگی آزادی میں گذری تھی اور غفلتوں میں گذری تھی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے طفیل نوازا گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی عظیم شہادت عطاء فرمائی کہ آج بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی اس کی شہادت پر رشک کرتے ہیں۔ یہ نوازش، یہ اکرام اور یہ اونچا مقام، علم الدین کو کس چیز سے ملا؟ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق سے ملا۔

رسول ﷺ سے عشق و محبت کے کچھ تقاضے

اس عشق و محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ناراض ہو، اس کے پاس نہ جائیں خواہ وہ چیز کتنی ہی محبوب ہو، کیونکہ یہ ہمارے ایمان اور ہماری محبت کا تقاضا ہے، ورنہ ہم اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں کہ ہمیں اللہ کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا جس حرام پیسے سے اللہ نے منع کر دیا مثلاً فرمایا کہ سود نہ کھاؤ، رشوت نہ لو، تجارت میں دھوکہ بازی کر کے ناپ تول میں خیانت کر کے اور ملاوٹ کر کے حرام پیسے مت کماؤ، ڈیوٹی پوری دیئے بغیر تنخواہ پوری مت لو، کیونکہ ڈیوٹی پوری دیئے بغیر تنخواہ حلال نہیں ہوتی۔ اسی طرح دھاڑی مزدوری کے پیسے اس وقت تک حلال نہیں ہوتے جب تک اتنی دیر کام نہیں کیا جتنی دیر کی ڈیوٹی طے ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ بھی پیسے کمانے کے جو طریقے حرام ہیں ان سب سے بچنا محبت رسول کا تقاضا ہے۔ یاد رکھئے! پیسے کی چاہت دل میں کتنی ہی طلب ہو لیکن اگر حرام دل آئے گا تو اللہ کا غضب متوجہ ہوگا۔ اس کا رسول ﷺ ناراض ہوگا۔ لہٰذا اگر ہمارے دلوں میں واقعتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے تو

ہمیں اپنے آپ کو بھی اور اولاد اور بیویوں کو بھی ایسے کام سے روکنا پڑے گا، جو اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا موجب ہو۔

خواتین ہمت سے کام لیں

خواتین اپنے شوہروں کو حرام آمدنی سے روکیں اور انہیں یہ یقین دلائیں کہ اگر تم حرام آمدنی نہیں لاؤ گے اور صرف حلال آمدنی لاؤ گے اور اس حلال آمدنی سے ہمیں صرف روٹی چٹنی سے گزارا کرنا پڑے تو ہم خوشی خوشی روٹی چٹنی سے گزارا کریں گے لیکن حرام مال ہمیں گوارا نہیں، اگر ہمیں اپنے کپڑوں میں پیوند لگانے پڑیں تو ہم پیوند لگے کپڑے پہن لیں گی لیکن اپنے رب کو ناراض کر کے سچے خدا کی نافرمانی نہیں کریں گی، اگر ہمیں فاقہ کرنا پڑے تو ہم فاقے کے لئے تیار ہیں لیکن حرام کا لقمہ کھانے اور اپنے بچوں کو کھلانے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ یہ جہنم کا لقمہ اور جہنم کی آگ ہے ہم اپنے پیٹ میں اور اپنے بچوں کے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرنے نہیں دیں گی۔

احسان فراموشی کمینوں کا کام ہے

اس ایمان، اس محبت اور اس عشق کا تقاضا یہی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی کریں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محسن اعظم ہیں۔ اس کائنات میں اللہ کے بعد اگر ہمارا سب سے بڑا کوئی محسن ہے تو وہ محسن اعظم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اگر ہمارے دلوں میں آپ کی محبت پیدا نہیں ہوتی تو یہ ہماری شرافت کے خلاف ہے محسن کے احسان کو فراموش کرنا کمینے لوگوں کا کام ہوا کرتا ہے۔ شریف لوگوں کا کام نہیں ہوا کرتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی سچی پکی اور گہری محبت اتنی عطا فرمادے کہ ہمارے اعمال واخلاق اس محبت کے سانچے میں ڈھل جائیں اور ان تمام باتوں سے ہم رک جائیں جن سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ناراض ہوتا ہے۔

محبت کا صلہ: آخرت میں رفاقت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ یارسول اللہ! متی الساعۃ؟ قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ نہیں بتلایا کہ قیامت کب آئے گی۔ کیونکہ یہ اللہ رب العالمین کا ایک راز ہے اور اس راز کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی اور کسی فرشتے پر بھی ظاہر نہیں فرمایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے کے بجائے اس سے ایک سوال کرلیا، آپ نے پوچھا کہ ماعددت لھا؟ تم نے قیامت کی کیا تیاری کی؟ مطلب یہ ہے کہ تم قیامت کے بارے میں جو پوچھ رہے ہو، یہ تو بتاؤ کہ اس قیامت کے لئے کچھ تیاری بھی کررکھی ہے؟ یعنی تم نے کیا ایسے اعمال کررکھے ہیں کہ قیامت کے دن کام آنے والے ہوں؟ (تو یہ بدو حضرات اور عرب کے دیہاتی حضرات بڑے سادہ مزاج ہوتے تھے) انہوں نے بھی بڑی صفائی کی بات کہی اور فرمایا کہ میں نے قیامت کے لئے نہ تو بہت زیادہ نمازیں پڑھی ہیں اور نہ بہت زیادہ روزے رکھے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ جو فرض نمازیں ہیں اور واجب اور سنت مؤکدہ ہیں اور جو سب مسلمان پڑھتے ہیں وہ تو پڑھتا ہی ہوں، لیکن میں نے نہ زیادہ نفل نمازیں پڑھی ہیں اور نہ زیادہ نفلی روزے رکھے، الا انی احب اللہ ورسولہ مگر اتنی بات ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں (اگرچہ میرے پاس نفلی نمازیں

اور نفلی روزے زیادہ نہیں ہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا" المرء مع من احب " یعنی آدمی آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت رکھتا ہے اگر اس کی محبت اللہ والوں سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی تو آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ والوں کے ساتھ ہوگا، ذرا تصور کیجئے کہ کتنی بڑی بشارت ہے۔

زیارت مدینہ کا شوق

ایک مومن عمر بھر کتنی تمنائیں کرتا ہے کہ مدینہ کی زیارت کر لے، مدینہ کی زیارت کے لئے لوگ کتنے تڑپتے ہیں، مرد بھی اور عورتیں بھی۔ کتنے شاعر ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ کی زیارت کا بے تحاشہ شوق ظاہر کیا اور اس موضوع پر نعتیں اور نظمیں کہیں، کیونکہ مدینہ میں مسجد نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے عظیم یادگار ہے۔ جس میں آپ پانچوں وقت نماز پڑھاتے تھے اور پھر مسجد نبوی میں روضہ اقدس ہے جہاں صاحبان کو جالی مبارک کی زیارت تو ہوتی ہے۔ قبر شریف کی زیارت ان کے لئے ممکن نہیں ہوتی کیونکہ وہ اندر پردوں میں ہے۔ لیکن کتنے بے شمار عاشق اس دنیا میں ہیں جو روضہ اقدس کی صرف جالیوں کا دیدار کرنے کے لئے ترستے ہیں۔ بہت سے لوگ تو وہ بھی ہوتے ہیں کہ حج کا زمانہ نہیں ہوتا پھر بھی مدینہ طیبہ جاتے ہیں۔ محض اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری کی دولت نصیب ہو جائے۔ اس لئے کہ یہ وہ دولت ہے جو کسی اور جگہ مل نہیں سکتی۔ اگر کسی مسلمان کو دنیا میں یوں کہا جائے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تیری پیشی کرا دیتے ہیں، بتا! تو کیا دینے کے لئے تیار ہے؟ ایک مسلمان اپنا سب کچھ

قربان کر دینے کے لئے تیار ہو جائے گا۔

حضرات صحابہؓ کا بلند مقام

اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار وہ نعمت کبریٰ ہے کہ جس شخص نے ایک مرتبہ ایمان کی حالت میں دیدار کرلیا وہ صحابی کہلایا، اور صحابی اس امت کے تمام انسانوں میں افضل ترین انسان ہے۔ صحابی کی برابری کوئی بڑے سے بڑا ولی، کوئی بڑے سے بڑا عالم، محدث، فقیہ، امام اور مجتہد نہیں کرسکتا، کیونکہ صحابہ کرامؓ کا مقام ان سب سے اونچا ہے۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا۔ یہ بتایئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ میں سے کس کا مقام اونچا ہے؟

حضرت معاویہؓ کی مظلومیت

یہ سوال اس لئے ذہن میں پیدا ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے مظلوم صحابی ہیں۔ جن پر بہت سے بدبختوں نے طرح طرح کے اعتراضات بھی کئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کی جنگ بھی ہوئی، جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے۔ دوسری طرف حضرات صحابہ کرامؓ کے بعد اس وقت تک جو عظیم شخصیتیں سامنے آئی تھیں۔ ان میں سب سے عظیم ترین شخصیت جو مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئی تھی وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پورے عالم اسلام میں سب کی آنکھوں کا تارا تھے۔ علماء، صلحاء، صوفیاء، اور اولیاء اللہ سب ان کے معتقد تھے جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بعض لوگوں کی طرف سے کچھ اعتراضات بھی تھے۔ اس وجہ سے یہ سوال کیا گیا کہ ان میں

سے کس کا مقام زیادہ بلند اور اونچا ہے؟ تو جواب میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں جو غبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کفار سے جہاد کرتے ہوئے پڑا، عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس غبار کے برابر بھی نہیں۔

مقام صحابیت اتنا بلند کیوں؟

صحابی کا مقام اتنا اونچا کیوں ہوا؟ اس وجہ سے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا، اور وہ دیدار ایسا اکسیر تھا کہ جو شخص ایمان کے ساتھ دیدار کرلیتا تھا اس کے دل کی کایا پلٹ جاتی تھی۔ اس کے ایمان کی وہ عظمت ہوتی تھی کہ ہمارے کروڑوں آدمیوں کا ایمان ان میں سے ایک آدمی کے ایمان کی برابری نہیں کرسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جس پر پڑ گئی، مٹی کو سونا بنادیا۔ دنیا میں جن لوگوں نے دیدار کرلیا پوری امت کا اتفاق ہے کہ ان کے برابر کوئی نہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ سکتے، لیکن یہ بھی بڑی بشارت دی گئی ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے آخرت میں وہ ان کے ساتھ ہوگا۔ آخرت میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہی نصیب نہیں ہوگا بلکہ آپ کی معیت بھی ہمیں نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو قائم فرمادے اور اس محبت میں برکت و قوت عطا فرمادے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تقدیر پر ایمان اور اس کے فوائد

موضوع: تقدیر پر ایمان اور اس کے فوائد

بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿تقدیر پر ایمان اور اس کے فوائد﴾

بعد از خطبہ مسنونہ!

اللہ کا علم ازلی ہی تقدیر ہے

گذشتہ بدھ کو ہم نے تقدیر اور اللہ کے اوپر بھروسے کا بیان شروع کیا تھا اور اس پر ایمان لانے کا مطلب یہ بیان کیا تھا کہ کائنات میں بے شک جو واقعہ ہو چکا، یا اب ہو رہا ہے، یا آئندہ ہوگا خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اچھا ہو یا برا، ظاہر ہو یا پوشیدہ، سب اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہوتا ہے اور اسی کے وجود میں لانے سے وجود میں آتا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، کوئی پتہ اور کوئی ذرہ بھی ہل نہیں سکتا، چنانچہ تندرستی اور بیماری، بچوں کی پیدائش اور جانداروں کی موت حتیٰ کہ نیکی اور بدی بھی اللہ کے علم ازلی کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتی ہے۔ اسی علم ازلی کا نام تقدیر ہے، یعنی کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے، اسی تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہمیں جو بھی اچھائی یا برائی، نفع یا

نقصان پہنچا ہے اللہ کو ان تمام چیزوں کا ازل سے علم ہے اور اسی کے مطابق وہ کام ہوا ہے، کسی کی مجال اور قدرت نہیں کہ وہ اس علم ازلی (تقدیر) کے خلاف کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ چنانچہ زہر کسی کو تقدیر کے خلاف نقصان نہیں پہنچا سکتا، دوا کسی بیمار کو تقدیر کے خلاف شفا نہیں دے سکتی، سانپ کسی کو تقدیر کے بغیر مار نہیں سکتا، چھری کسی چیز کو کاٹ نہیں سکتی جب تک پہلے سے اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں طے نہ کر دیا ہو۔ اگرچہ چھری کے بارے میں اللہ نے یہ قانون رکھا ہے کہ جب وہ کسی نرم چیز پر چلائی جاتی ہے تو وہ کٹ جاتی ہے لیکن اگر وہ چاہے کہ نہ کٹے تو پھر آپ لاکھ زور لگائیں وہ نہیں کٹ سکتی، چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں تو نبی کا خواب چونکہ وحی ہوتا ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ تھا کہ تم اپنے بیٹے کے گلے پر چھری چلاؤ۔

غیر نبی کا خواب حجت نہیں ہوتا

یاد رکھیں! غیر نبی کا خواب وحی کے درجے میں نہیں ہوتا اور نہ ہی یقینی ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ خوابوں کے بارے میں طرح طرح کے اعتقادات لیکر بیٹھ جاتے ہیں۔ یاد رکھئے! ہر خواب سچا نہیں ہوتا، کبھی سچا ہوتا ہے اور کبھی جھوٹا، پھر یہ کہ کبھی اس خواب کا ظاہری مطلب ہوتا ہے اور کبھی ظاہری مطلب نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ محض خواب کی بنا پر شریعت کا کوئی حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شخص بالفرض خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے دیکھے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دو تو بیٹے کو ذبح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ہمارا خواب ہے، اور ہمارے خواب سے شریعت کے کسی مسئلے کے حلال یا حرام ہونے کا ثبوت حاصل نہیں ہوگا۔

ایک واقعہ

کراچی میں یہ واقعہ پیش آچکا ہے کہ ایک صاحب نے اپنے بیٹے کو ذبح کر دیا، پولیس نے اسے پکڑ کر تفتیش کی تو اس نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ گویا وہ یہ سمجھے کہ اللہ نے اسے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے، اور بیٹے کو ذبح کر دیا پھر بعد میں ان پر مقدمہ چلا، اور یہ کام صرف اور صرف جہالت کی وجہ سے ہوا کیونکہ نبی کے علاوہ شریعت کے احکام میں کسی اور کا خواب معتبر نہیں۔

حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے

صرف نبی کا خواب حجت ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری چلا رہے ہیں، جس کا مطلب ان کو اس کام کا حکم ملنا تھا، قرآن میں بھی اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں جتنا منظر دیکھا تھا اسے اپنی جانب سے پوری قوت سے چھری چلا کر پورا کر دیا، خواب میں گلا کٹنا نہیں دکھایا گیا تھا، صرف چھری چلانا دکھایا گیا تھا، چنانچہ گلا کٹنا تو دور کی بات خراش تک نہ آئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک دنبہ اتارا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اپنے امتحان میں کامیاب ہو گئے اب تم اس دنبے کو ذبح کر دو۔ معلوم ہوا کہ چھری کے اندر بھی ذرہ برابر کاٹنے کی طاقت نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو، اسی طرح آگ میں جلانے کی صفت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں آسکتی۔ غرض

جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے مطابق اور اسی کے حکم سے ہوتا ہے، اس کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے واقعہ کو قرآن نے از خود بیان کیا کہ نمرود اور اس کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کا اتنا بڑا جہنم تیار کیا تھا کہ اگر سینکڑوں آدمی بھی اس میں ڈالے جاتے تو وہ جل کر راکھ ہو جاتے، لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ میں کودے، تو اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا:

﴿يٰنَارُ كُونِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰى إِبْرٰهِيْمَ﴾

''اے آگ! تو ابراہیم کیلئے ٹھنڈک اور باعث سلامتی ہو جا''

(سورۃ انبیاء، آیت نمبر ۶۹)

تو وہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے گلزار بن گئی۔ غرضیکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہوتا ہے اور اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ بھی دنیا میں ہوتا ہے وہ اسے پہلے سے معلوم ہے، اس نے اس کو تقدیر میں لکھ رکھا ہے کہ میں مثلاً فلاں وقت فلاں فلاں شخص کو بیماری اور فلاں فلاں شخص کو شفا دوں گا وغیرہ۔

دواء میں اللہ کے حکم کے بغیر شفاء نہیں

آئے دن ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ ایک ایسی دوا کہ جس سے عموماً لوگوں کو شفا ہو جاتی ہے لیکن کسی مریض کو جب اس مرض میں وہ دوا دی گئی تو وہی اس کیلئے مہلک بن گئی۔ ہمارے بڑے بھائی جناب محمد زکی کیفی مرحوم جن کی ایک مشہور کتاب ''کیفیات'' ان کے اشعار پر مشتمل ہے، اور جس کو طلباء بہت شوق سے پڑھتے ہیں، ان کی اہلیہ صاحبہ کی آنکھ کا آپریشن لاہور کے ایک مشہور اور پرانے تجربہ

کارڈاکٹر نے کیا جو ہمارے بھائی جان کے دوست تھے، اور آپریشن بھی ٹھیک ہوگیا، لیکن آپریشن کرتے وقت ایک ایسا انجکشن بھی لگایا جو عام طور پر مریضوں کو لگایا جاتا ہے، اسی انجکشن سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ معلوم ہوا کہ دوا اور ڈاکٹر میں شفا نہیں وہ تو اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، اور وہی ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ہم تو روزمرہ یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ دوا حلق میں اترنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے پوچھتی ہے کہ کیا اثر کروں؟ شفا کا ذریعہ بن جاؤں یا بیماری کا؟ پھر جو حکم ہوتا ہے وہ ویسا اثر کرتی ہے۔

اسی طرح کوئی انسان دوسرے کو اس وقت تک نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ ہو جائے۔ یہ تمام کام اللہ کے قبضہ قدرت میں بھی ہیں اور ازل سے اس کے علم میں بھی محفوظ ہیں اسی بات کو دل سے ماننے کا نام ہے "تقدیر پر اعتقاد رکھنا"۔ اچھی یا بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ اور توکل کہتے ہیں "اللہ پر بھروسہ رکھنے کو" یعنی اس بات کا یقین رکھنا کہ ہمارا کارساز اللہ ہی ہے اس کے علاوہ کوئی نہیں۔

تقدیر پر ایمان دل کی مضبوطی کا سبب ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس اعتقاد اور عمل میں بہت سارے فوائد ہیں، منجملہ ان کے ایک فائدہ یہ ہے کہ کیسی ہی سخت مصیبت اور پریشانی ہو، اس اعتقاد کی بدولت انسان کا دل مضبوط رہتا ہے اور انسان سمجھ لیتا ہے کہ اللہ کو یہی منظور تھا، اس کے خلاف ہو نہیں سکتا تھا، اور جب وہ چاہے گا تو اس حالت کو تبدیل بھی فرمادے گا۔ اور ابھی گذشتہ جمعہ کو میں عرض کررہا تھا کہ

جس کو تقدیر پر ایمان نہیں ہوتا وہ پچھتا رہتا ہے۔ مثلاً خدانخواستہ کسی کا ایکسیڈنٹ ہوجائے تو وہ اپنے دل میں یہ خیال کرتا ہے کہ میں تو پہلے ہی یہ سوچ رہا تھا کہ اس راستے سے جاؤں یا دوسرے سے، کاش! میں اس دوسرے راستے سے چلا جاتا تو بچ جاتا، حالانکہ تقدیر میں اس کا اسی راستے سے جانا اور اسی گاڑی سے ٹکرانا اور اسی زخم کا لگنا لکھا جاچکا تھا تو پھر اس سے کیسے بچ سکتا تھا؟ لہٰذا پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ماضی پر پچھتانا حماقت ہے جس میں اپنی توانائی کو بھی ضائع کرتا ہے اور اپنے دل کو مشوش اور پریشان بھی کرتا ہے، لیکن ایک مؤمن کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ تقدیر میں ایسا ہی لکھا جاچکا تھا لہٰذا یہ سوچ کر صبر کرتا ہے۔

تقدیر پر ایمان مایوسی کا علاج ہے

غرضیکہ تقدیر کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ انسان کا دل مضبوط ہوتا ہے اور پریشانی کم ہوتی ہے، اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان مایوس نہیں ہوتا اور بیماری کی صورت میں وہ علاج معالجہ کرتا ہے، لیکن یہ سوچ کر کرتا ہے کہ یہ تو ایک تدبیر ہے اور ہوگا وہی جو منظور خدا ہے، اس کے قبضہ قدرت میں یہ بات ہر وقت ہے کہ وہ مجھے شفا دیدے۔ اور انسان کو ایک امید لگی رہتی ہے جس سے دل کو تقویت ملتی ہے اور ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان اس کی بدولت اپنے مقاصد کے حصول کیلئے کوئی ایسی تدبیر اور کوشش نہیں کرے گا جس کو شریعت نے منع کیا ہو، لہٰذا وہ جادوگر وغیرہ کے پاس بھی نہیں جائے گا۔

مؤمن کی نظر اللہ پر ہوتی ہے

ایک بڑے بزرگ کا واقعہ ہے کہ مدرسہ دارالعلوم نظامیہ میں زیر تعلیم

تھے، بہت محنتی تھے اور ہر وقت مطالعہ اور پڑھنے وغیرہ میں مصروف رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس آکر کھڑے ہوگئے، یہ اپنے مطالعہ میں مصروف تھے اس لئے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا، تو حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں سلام کیا؟ انہوں نے گردن کو کچھ اٹھا کر سلام کا جواب دیا اور پھر مطالعہ میں مصروف ہوگئے۔ تھوڑی دیر کھڑے رہنے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم نے شاید مجھے پہچانا نہیں، میرا نام خضر ہے، انہوں نے یہ سن کر دیکھے بغیر کہا اچھا آپ خضر ہیں اور پھر مطالعہ میں مشغول ہوگئے۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا تم عجیب آدمی ہو لوگ اور بڑے بڑے رئیس میری تلاش میں رہتے ہیں اور میں تمہارے پاس کھڑے ہوکر تمہیں سلام کر رہا ہوں اور تم میری طرف متوجہ ہی نہیں ہو رہے! انہوں نے کہا مجھے آپ کی طرف توجہ کرنے اور دیکھنے سے کیا فائدہ ملے گا؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ لوگ تو اس کی بڑی تمنا میں رکھتے ہیں اور میرے سامنے طرح طرح کی حاجتیں پیش کرتے ہیں۔ ان بزرگ نے کہا کہ کیا آپ مجھے وہ چیز دے سکتے ہیں جو میری تقدیر میں نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں! پھر پوچھا کہ کیا آپ ایسی چیز کو روک سکتے ہیں جو میری تقدیر میں میرے لئے لکھی جا چکی ہے؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا نہیں! تو انہوں نے کہا پھر میں آپ سے کیوں مانگوں؟ ایسی ذات سے کیوں نہ مانگوں جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے۔

غرضیکہ ایک مؤمن اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتا اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے۔

جتنا تقدیر میں ہے اتنا ہی ملے گا

آج لوگ یہ بات کثرت سے پوچھتے ہیں کہ دوسری جگہوں میں ہمیں اول تو

ملازمت ملتی ہی نہیں اور اگر ملتی ہے تو تنخواہ گزر اوقات کیلئے ناکافی ہوتی ہے، لیکن بینک میں ہمیں ملازمت بھی مل سکتی ہے اور تنخواہ و دیگر سہولتیں بھی زیادہ ملتی ہیں۔ یاد رکھیے! بینک میں ایسی ملازمت حرام ہے جس میں سود کا لین دین، یا حساب کتاب، یا سود سے متعلق کوئی کام کرنا پڑتا ہو۔ کیونکہ احادیث میں سود کے لینے والے پر، سود کے دینے والے پر، اور سود کے معاملے میں گواہ بننے والے پر اور سود کے معاملے کو لکھنے والے پر لعنت آئی ہے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ

﴿لعن اللّٰہ اٰکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ﴾

"رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے جو سود کھاتا ہو، یا سود کھلاتا ہو (یعنی دیتا ہو) یا سود کے کاروبار اور حساب لکھتا ہو، یا سودی معاملات میں گواہ بنتا ہو۔"

(رواہ مسلم)

لہٰذا اگر کسی کو تقدیر پر ایمان ہے، تو وہ کبھی ناجائز ملازمت یا بینک میں ایسی ملازمت نہیں کرے گا، کیونکہ اس کو اس کا ضمیر یہ جواب دے گا کہ تیرے مقدر میں جتنا رزق لکھا ہوا ہے، وہ تو تجھے ملنا ہی ہے پھر تو حرام کام اور ملازمت کیوں کرتا ہے۔

حصول مقصد کیلئے تدبیر

تقدیر پر ایمان رکھنے کا ایک اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے کوشش اور تدبیریں کرتا رہتا ہے، اور ایسا کرنا بھی چاہیے۔ کیونکہ تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، بلکہ تقدیر میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ انسان اس کیلئے محنت و کوشش بھی کرے گا اور اگر اس

نے محنت نہ کی تو کچھ نہیں ملے گا، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوشش کئے بغیر مقصود حاصل ہو جاتا ہے، اور کبھی کوشش کے باوجود مقصد حاصل نہیں ہوتا، لیکن قدرت کا عام قانون یہی ہے کہ انسان جیسا سبب اختیار کرتا ہے ویسے ہی اس کے نتائج ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر آپ آگ جلا کر اس پر توا رکھ کر روٹی پکانا چاہیں تو روٹی پک جائے گی، اگر آپ آگ جلائے بغیر یہ چاہیں کہ اس سے روٹی خود بخود پک جائے تو اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں لیکن وہ عام طور پر ایسا نہیں کرتے۔

غرضیکہ تقدیر پر ایمان کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ انسان کوشش تو کرے گا لیکن یہ سوچ کر کہ اس میں اثر پیدا کرنے والی اللہ کی ذات ہے، پھر وہ دعا کرنے پر مجبور ہوگا کہ اے اللہ! یہاں تک تو میری کوشش ہے آگے آپ کا کام ہے، آپ اس میں اثر پیدا فرما دیجئے۔

تدبیر سبب کے درجہ میں ہے

کچھ لوگ کسی بزرگ کے پاس بارش کی دعا کی درخواست کرنے کے لئے گئے کہ بارش نہیں ہو رہی آپ دعا کریں! انہوں نے کہا بہت اچھا اور یہ کہہ کر اپنے گھر سے ایک برتن لا کر چھت کے ایک پرنالے کے نیچے رکھ دیا، لوگوں نے بھی ان بزرگ کی ہدایت پر اپنے اپنے برتن اپنے پرنالوں کے نیچے رکھ دیئے، دور دور تک بادلوں کا کوئی نام ونشان نہ تھا، پھر ان لوگوں نے مل کر دعا کی کہ اے اللہ! یہاں تک تو ہم کر سکتے ہیں آگے آپ اپنا کام کر دیجئے، چنانچہ اللہ رب العزت نے بارش برسا دی۔ تو انسان کے سامنے یہ بات رہے گی کہ یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں، سبب کے درجے میں تو ہے لیکن اس میں تاثیر اللہ کے پیدا کرنے سے ہوگی، اس لئے لامحالہ وہ

کوشش اور دعا کرنے پر مجبور ہوگا۔

دعا کی توفیق بڑی چیز ہے

ایک اور بات کا آپ تجربے سے مشاہدہ کریں گے کہ جب کوئی شخص کسی کام کیلئے جائز طریقے سے کوشش بھی کرتا ہے اور دعا بھی کرتا ہے تو میں نے کسی ایسے شخص کو اپنے مقصد میں ناکام ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ کثرت سے ایسا ہوتا ہے کہ اس موقع پر دل یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ کام ہو کر رہے گا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ کام کرنا منظور نہ ہوتا تو اسے دعا کی توفیق ہی نہ دیتے، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کو کسی انسان کی کامیابی مقصود نہیں ہوتی تو انسان کوشش تو کرتا ہے لیکن دعا نہیں کرتا۔ خلاصہ یہ کہ انسان تقدیر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اپنی ساری جدوجہد کے باوجود اللہ کی طرف لو لگائے رکھتا ہے اور اسی سے دعائیں مانگتا رہتا ہے، اور جب انسان دعا کرتا رہتا ہے تو اس کا تعلق اللہ سے بڑھتا رہتا ہے، کیونکہ دعا ایک عظیم الشان عبادت ہے خواہ وہ دنیاوی مقصد کے لئے ہو یا آخرت کی کامیابی کے لئے، یہ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب بنتا چلا جاتا ہے اور دین و دنیا کی کامیابیوں کی کنجی یہی ہے کہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بڑھ جائے۔

تکبر سے بچاؤ ہوگا

تقدیر پر ایمان رکھنے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ جو شخص اس عقیدہ کا دھیان رکھے گا تو چاہے وہ بڑے سے بڑا کارنامہ سر انجام دے لے، وہ کبھی تکبر، ناز اور فخر میں مبتلا نہیں ہوگا، کیونکہ اسے معلوم ہوگا کہ یہ کامیابی میرے کرنے سے نہیں ہوئی بلکہ

یہ کامیابی عطا کرنے والے کی جانب سے آئی ہے۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ جو شخص تقدیر پر ایمان رکھے گا اسے جب کوئی خوشی اور راحت ملے گی تو وہ اللہ کا شکرادا کرے گا اور اگر خدانخواستہ تکلیف اور غم پہنچا تو صبر کرے گا۔ اور شکر و صبر انسان کیلئے رحمت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

صبر اور شکر کے عنوان سے ایک لطیفہ یاد آیا کہ ملا نصر الدین کی بیوی بدصورت تھی اور ملا جی خود بڑے خوبصورت تھے، ایک مرتبہ ملا جی بڑے موڈ میں تھے، کہنے لگے بیگم! تم بھی جنتی ہو اور ہم بھی جنتی ہیں، بیوی نے پوچھا وہ کیسے؟ تو انہوں نے کہا اس لئے کہ جب تم مجھے دیکھتی ہو تو اللہ کا شکرادا کرتی ہو(کہ خوبصورت شوہر ملا) اور جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو صبر کرتا ہوں، اور صابروشاکر دونوں جنت میں جائیں گے، اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ جو شخص ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہوگا وہ سیدھا جنت میں جائے گا، اور تقدیر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے یہ دونوں صفتیں پیدا ہوتی ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

تقدیر کا ایک اور بڑا فائدہ بھی سمجھتے چلئے۔ بعض کم ہمت لوگ یہ سمجھتے ہیں جب ہر کام تقدیر میں لکھا ہے تو پھر کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جیسے ایک نوجوان صاحب زادے تھے، تندرست، تعلیم یافتہ اور کھاتے پیتے گھرانے سے متعلق تھے، لیکن کام کوئی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی تعلیم حاصل کی تھی، بس دن بھر بیٹھ کر آرام کرتے، لوگوں نے بہت سمجھایا، ایک مرتبہ اس کے والد نے اسے بہت نرمی سے سمجھایا کہ بیٹا! تم تعلیم حاصل کرلو! اس نے کہا تعلیم سے کیا فائدہ ہوگا؟ کہا کہ تمہیں لکھنا پڑھنا آجائے گا اور تم کوئی اچھی سی ملازمت کرسکو گے، اس نے پوچھا ملازمت سے کیا ہوگا؟

انہوں نے کہا اچھی تنخواہ ملے گی، آمدنی ہوگی، اس نے پوچھا کہ اس سے کیا ہوگا؟
انہوں نے کہا کہ اسے تم جمع کر کے کوئی اچھا سا مکان بنا سکتے ہو اور شادی کر سکتے ہو،
اس نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ بچے ہوں گے تو ان پر خرچ کرنے کیلئے
تمہارے پاس پیسے ہوں گے۔ اس نے پوچھا کہ پھر کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا عیش کرو
گے، تو اس نے کہا تو اب میں کیا کر رہا ہوں، اب بھی تو عیش ہی کر رہا ہوں، جب یہ
سب پاپڑ بیلنے کے بعد عیش ہی کرنا ہے تو اس محنت اور مشقت کو برداشت کرنے کی کیا
ضرورت ہے؟

تقدیر سے ہمت بڑھتی ہے

اگر کوئی شخص تقدیر پر صحیح ایمان رکھتا ہے تو تقدیر پر ایمان رکھنا اس کو کوشش
اور جدوجہد پر آمادہ کرتا ہے، اس لئے کہ اسے یہ معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب
بھی بنائے ہیں اور ان کو اختیار کرنے کا بھی حکم ہے تو پھر وہ چھوٹے سے چھوٹا سبب
بھی اختیار کرے گا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اس میں اثر رکھا ہو۔ لہٰذا اگر انسان تقدیر پر
ایمان رکھتا ہوگا تو اس سے ہمت مزید بڑھے گی، اور وہ جدوجہد پر آمادہ ہوگا۔

پہلے تدبیر پھر تقدیر پر توکل

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک مقدمے کا فیصلہ فرمایا تو وہ فیصلہ جس کے
خلاف تھا اس نے کہا ”حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل“ ”اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے اور وہ
بہترین کارساز ہے“ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو ناپسند کرتا ہے
لیکن ہوشیاری اور عقل سے کام لو یعنی کوشش اور تدبیر میں کم ہمتی سے کام مت لو۔ ہاں

جب کوئی کام تمہارے قابو اور بس سے باہر ہو جائے اتب کہو" حسبی اللہ ونعم الوکیل "گویا اس کام کے کرنے سے جو مقصد ہم حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہ حاصل نہیں ہوا تو اللہ کو یہ بھی قدرت ہے کہ وہ کسی اور ذریعے سے اس کو حاصل کروا دے۔ مثلاً آپ ملازمت حاصل کرنے کیلئے انٹرویو کی تیاری بھی کریں درخواستیں بھی دیں، اور جو کوششیں ضروری ہیں وہ بھی کرلیں، اور ساتھ ہی "حسبی اللہ ونعم الوکیل" بھی پڑھتے رہیں۔ اور یہ مضمون بھی ہمارے ذہنوں میں ہونا چاہئے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" لا یؤمن احد کم حتی یؤمن بالقدر خیرہ وشرہ الخ۔

یعنی تم میں سے کوئی آدمی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے خواہ وہ تقدیر اچھی ہو یا بری یعنی یہ جان لے کہ اچھی تقدیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے اور بری تقدیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے یہاں تک کہ وہ اس بات کا یقین کرلے کہ جو واقعہ بھی ہونے والا تھا وہ ہوکر رہے گا اور جو واقعہ اس کے ساتھ پیش نہیں آنا تھا وہ پیش نہیں آسکتا۔

تقدیر سے متعلق چند احادیث

۱۔ ﴿ عن ابن عمرؓ وقال: قال رسول اللہ ﷺ کل شیء بقدر حتی العجز والکیس ﴾

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہر چیز تقدیر سے ہے یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ ہونا اور ہوشیار ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے"۔ (رواہ مسلم)

۲۔ ﴿عن عبداللہ ابن عمروؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ کتب

فلله مقادير الخلائق قبل ان خلق السموت والارض بخمسين الف سنة﴾

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں"۔ (مسلم)

۳۔ ﴿عن عبدالله ابن عمروؓ قال: قال رسول الله ﷺ ان قلوب بني آدم كلها بين اصبعين من اصابع الرحمن كقلب واحد يصرفه كيف يشاء ثم قال رسول الله ﷺ اللّٰهم مصرف القلوب صرف قلوبنا على طاعتك﴾۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بنی آدم کے تمام قلوب ایک دل کی طرح اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دل اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے"۔

(رواہ مسلم)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرمائے، اور ایمان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

اسلام میں غلامی کا تصور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اسلام میں غلامی کا تصور﴾

خطبہ مسنونہ

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد:

"عن أبی ذر جندب بن جنادہ رضی اللّٰہ عنہ قال: قلت یارسول اللّٰہ، أی الاعمال افضل؟ قال: الایمان باللّٰہ و الجہاد فی سبیلہ" قلت: أی الرقاب أفضل؟ قال: أنفسہا عند أہلہا و أکثرہا ثمناً۔ قلت: فان لم أفعل؟ قال: تعین صانعاً أو تصنع لأخرق"۔ قلت یارسول اللّٰہ ان ضعفت عن بعض العمل۔ قال: تکف شرک عن الناس فانّہا صدقۃ منک علی نفسک"۔ (متفق علیہ)

بزرگان محترم اور برادران عزیز! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں مذکورہ افضل اعمال میں سے تیسرے افضل عمل کے متعلق بیان کرنا مقصود ہے۔

تیسرا افضل عمل: عمدہ غلام آزاد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے تیسرا سوال یہ کیا کہ یا رسول اللہ! کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل عمل ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی غلام کو آزاد کروں تو کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انفسها عند اهلها واكثرها ثمنا "وہ غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے جو مالک کے نزدیک سب سے اعلیٰ درجے کا اور سب سے زیادہ قیمتی غلام ہو۔"

غلامی سے متعلق بحث

چونکہ اس زمانہ میں غلام نہیں پائے جاتے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہاں پر موجود بہت سے حضرات یہ بات نہ سمجھ رہے ہوں کہ غلام سے کیا مراد ہے اور اس کو آزاد کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو آج کی مجلس میں اس کے متعلق قدرے وضاحت سے عرض کر دیتے ہیں۔

غلامی کے متعلق اسلام پر اعتراض

آج کل انسانی حقوق (Human Rights) کی بحث چھڑی ہے۔ امریکہ اور یورپ کے لوگ اس کے بہت شیدائی ہیں۔ مغربی میڈیا صبح سے لیکر شام تک انسانی حقوق کے راگ الاپتا ہے اور امریکہ بہادر اس کی قیادت کر رہا ہے اور جن ذہنوں نے امریکہ ہی کو دیکھا، اسی کی کتابیں اور لٹریچر پڑھا، اسی کی تعلیمات حاصل کیں، اسی کے میڈیا کو دیکھا اور سنا، جب وہ قرآن، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں

غلامی، غلاموں اور ان کی خرید وفروخت کا ذکر دیکھتے ہیں تو انہیں حیرت ہوتی ہے کہ اسلام میں تو انسانوں کو غلام بنانا بھی جائز ہے اور اسلام نے انسانوں کی خرید وفروخت کی اجازت بھی دے رکھی ہے۔

اسلام سے پہلے غلام بنانے کا طریقہ

اس کا جواب دینے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے غلامی کی حقیقت کیا تھی؟ اسلام سے پہلے غلام بنانے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کوئی بھی طاقتور کسی بھی کمزور کو پکڑ کر لاتا اور اسے اپنا غلام بنا لیتا، اب یہ شخص جو چاہے اس سے مشقت اور خدمت لے، اسے کھانے پینے کیلئے کچھ دے یا نہ دے، یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے، بس پکڑا ہوا شخص ایک بے دام غلام ہے جو ہر اعتبار سے اپنے مالک کے حکم کا پابند ہے، اور اگر کسی کے پاس آٹھ دس غلام ہوگئے جبکہ اسے صرف ایک یا دو غلاموں کی ضرورت ہوتی تو بقیہ غلاموں کو پیسے لے کر فروخت کر دیتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے غلام بننے کا واقعہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی اسی طریقے سے غلام بنایا گیا تھا حالانکہ وہ خود آزاد تھے اور آزاد باپ کے بیٹے تھے۔ ان کے غلام بننے کا قصہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ ان کے بھائیوں نے اپنے باپ کو دھوکہ دے کر ایک کنوئیں میں جا کر ڈال دیا۔ وہاں سے ایک قافلے والے کا گذر ہوا انہوں نے ایک آدمی کو اس کنوئیں سے پانی لینے کیلئے بھیجا۔ جب اس نے ڈول اندر ڈالا تو یوسف علیہ السلام نے اس ڈول کو پکڑ لیا اور اس کے ساتھ باہر آگئے۔ بھائیوں کو پتہ چلا تو قافلے والوں کے پاس

آئے اور کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے اور معمولی قیمت کے عوض حضرت یوسف علیہ السلام کو قافلے والوں کے ہاتھ بیچ دیا، اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام ان کے غلام بن گئے۔ انہوں نے مصر میں جا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ دیا۔

اسلام سے پہلے غلاموں کے کوئی حقوق نہیں تھے

جس طرح اسلام سے پہلے غلام بنانے کیلئے کسی قاعدے اور قانون کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح اسلام سے پہلے غلاموں اور باندیوں کے کوئی حقوق بھی نہ تھے۔ غلاموں سے کام لیا جاتا اور باندیوں سے شہوت رانی کی جاتی یہاں تک کہ ان سے اولادیں پیدا ہوتیں لیکن نہ ان غلاموں کے کوئی حقوق تھے اور نہ باندیوں کو کسی قسم کے حقوق دیئے جاتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اسلام سے پہلے دنیا میں غلامی کے سلسلے میں بالکل جنگل کا قانون تھا۔

یورپ کے لوگوں نے اسی طرح غلام بنائے

یورپ کے لوگوں نے بھی انسانوں کو اسی طرح غلام بنایا۔ یہ یورپ کے لوگ جب امریکہ پہنچے اور امریکہ کو آباد کرنے کیلئے انہیں انسانوں کی ضرورت پڑی تو افریقہ اور ایشیا کے لوگوں کو غلام بنا کر یہاں امریکہ میں لائے۔

امریکہ کس طرح دریافت ہوا؟

امریکہ دریافت ہونے سے پہلے چونکہ لوگ امریکہ سے واقف نہیں تھے اس لئے جب امریکہ دریافت ہوا تو اس زمانے میں لوگ اسے نئی دنیا کہا کرتے تھے۔ امریکہ کولمبس نے دریافت کیا۔ دراصل وہ ہندوستان کی تلاش میں نکلا تھا کیونکہ اس

نے ہندوستان کی بہت تعریفیں سن رکھی تھیں تو سمندری سفر کے دوران ہندوستان کو تلاش کرتے کرتے ادھر آنے کی بجائے امریکہ کی طرف مڑ گیا اور وہ سمجھا کہ سامنے جو خشکی نظر آرہی ہے، یہی ہندوستان ہے حالانکہ وہ امریکہ تھا۔ واسکوڈے گاما نے ہندوستان دریافت کیا۔ یہ سمندر میں سفر کرتے ہوئے ساؤتھ افریقہ سے بحر جنوبی کو پار کرکے ادھر پہنچا تو ہماری بدقسمتی سے اسے ہندوستان مل گیا، جس کے نتیجہ میں انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی آئی اور اس نے وہ ساری خباثتیں کیں جو تاریخ کا حصہ بنیں۔

یورپی لوگوں کا امریکہ پر قبضہ

امریکہ کے اصلی باشندے سرخ رنگ کے تھے۔ چونکہ کولمبس اور اس کے ساتھی ہندوستان کی تلاش میں نکلے تھے اور یوں سمجھ رہے تھے کہ یہ انڈیا ہے، اس لئے انہوں نے امریکہ کے ان اصلی باشندوں کا نام ریڈ انڈین (Red Indian) رکھا۔ یورپ کے لوگوں اور امریکہ کے ان اصلی باشندوں کے درمیان جنگیں ہوئیں۔ چونکہ یہ بہت تھوڑی تعداد میں تھے اور بیچارے ان پڑھ قسم کے لوگ تھے۔ اس لئے یورپی لوگوں کا مقابلہ نہ کرسکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے لوگوں نے امریکہ پر قبضہ کرلیا۔

اصلی امریکی باشندوں پر مظالم

یورپی لوگوں نے امریکہ کے ان اصلی باشندوں پر بہت مظالم ڈھائے۔ انہیں شہروں سے نکالا، انہوں نے پناہ لینے کیلئے گاؤں گوٹھوں کا رخ کیا تو وہاں پر انہیں تنگ کیا، یہاں تک کہ وہ پہاڑوں میں چلے گئے، اور انہی پہاڑوں، صحراؤں

وغیرہ میں سچے پکے مکانوں میں رہتے رہے، نہ ان کی تعلیم کا کوئی انتظام تھا، نہ صحت کا کوئی انتظام اور نہ ان کے ذریعہ معاش کا کوئی انتظام تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی نسلیں ختم ہوتے ہوتے اب تقریباً ختم ہوگئی ہیں، دور گاؤں گوٹھوں میں کہیں اکا دکا ان کے خاندان رہ گئے ہیں۔ آج امریکہ میں یہ لوگ ڈھونڈے سے نہیں ملتے۔ یہ معاملہ ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا جو وہاں کے اصلی باشندے اور اس زمین کے مالک تھے، جن کا یہ ملک اور وطن تھا۔ یہ ہیں انسانی حقوق کے علمبردار!

امریکہ کی زمینی وسعت

براعظم امریکہ کے دو حصے ہیں۔ جنوبی امریکہ اور شمالی امریکہ۔ شمالی امریکہ میں دو ملک آباد ہیں، کینیڈا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ (United States of America) شمالی امریکہ کا جو حصہ ریاستہائے متحدہ امریکہ (U.S.A) کے پاس ہے، اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک زمین لمبائی ہے کہ اگر نیویارک سے لاس اینجلس تک بذریعہ ہوائی جہاز سفر کیا جائے تو یہ چھ گھنٹے کی فلائٹ ہے۔ میں نے یہ سفر کیا ہے۔ یورپ، برطانیہ اور دیگر ممالک کے لوگ وہاں جاکر آباد ہوئے۔

افریقی لوگوں کو غلام بنا کر امریکہ لایا گیا

امریکہ کو کارآمد بنانے کے لئے دریافت کرنے والوں کو انسانوں کی ضرورت تھی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے افریقہ کے لوگوں کو غلام بنایا اور یہاں امریکہ لے آئے۔ جس کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ افریقہ کے کسی گاؤں میں جاتے، وہاں جال ڈال کر گاؤں کا محاصرہ کرتے، سارے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان ان سب کو گرفتار کرتے، جو بھاگنے کی کوشش کرتا، اُسے زخمی کرتے۔ جس طرح

جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح انسانوں کا شکار کرتے اور پھر ان میں سے چھانٹتے کہ کون کام کا ہے اور کون کام کا نہیں ہے۔ جو ان کے کام کا نہ ہوتا اسے وہیں چھوڑ دیتے نتیجہ یہ نکلا کہ کسی کا باپ رہ جاتا، کسی کی ماں رہ جاتی، کسی کا بھائی رہ جاتا اور کسی کی بہن رہ جاتی۔ ان لوگوں کو اس سے بحث نہیں تھی کہ کس کا کون سا رشتہ دار رہ گیا، انہیں صرف اپنے مقصد سے غرض تھی۔ جانوروں کے ساتھ بھی وہ سلوک نہیں کیا جاتا جو انہوں نے افریقہ کے ان کالوں اور سیاہ فام لوگوں کے ساتھ کیا۔ اس طرح یہ ان افریقیوں کو امریکہ لے کر پہنچے اور امریکہ کی سرزمین کو ان کے ذریعے آباد کیا۔

اسپین کے مسلمانوں کو زبردستی امریکہ پہنچایا گیا

اسپین کے لوگوں کو بھی اسی طرح زبردستی امریکہ پہنچایا گیا۔ جب امریکہ دریافت ہوا تو تقریباً یہ وہی دور تھا کہ جب سقوط غرناطہ ہوا۔ اسپین میں اسلامی خلافت کا خاتمہ ہوا تو وہاں کے بہت سے مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا گیا، بہت سے مسلمانوں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ بہت سے مسلمان وہاں سے بھاگ کر مراکش وغیرہ میں پناہ گزین ہوئے، اور بہت سے مسلمانوں کو انہوں نے زبردستی عیسائی بنا کر امریکہ پہنچایا۔

امریکہ میں غلاموں کی خرید و فروخت

اس نئی دنیا کو آباد کرنے کے لئے افریقہ کے ان آزاد انسانوں کو غلام بنایا گیا جو آزاد ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ انہیں ان کے والدین کو، ان کی بہنوں اور بیٹیوں کو غلام بنا بنا کر امریکہ لایا گیا اور یہاں امریکہ میں ان غلاموں کی

خرید وفروخت ہوتی تھی۔ ان کی منڈیاں اور بازار لگتے تھے۔

یہ خرید وفروخت اسی طرح ہوتی تھی جس طرح پچھلے چند مہینوں میں یہاں افغانستان کے اندر امریکہ نے قیدیوں کی خرید وفروخت کروائی ہے۔ کتنے مسلمان قیدیوں کو ہندوستان خرید کر لے گیا۔ حالانکہ اقوام متحدہ کے چارٹر پر لکھا ہوا ہے کہ اب غلامی کا خاتمہ ہو چکا ہے، اب کسی کو غلام نہیں بنایا جائے گا لیکن افغانستان کے قیدیوں کو غلام بنایا گیا ہے۔ اگرچہ انہوں نے ان کا نام غلام نہیں رکھا لیکن معاملہ غلاموں سے بدتر کر رکھا ہے۔ اب بھی ان کی خرید وفروخت کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ قیدی جو ہمارے بھائی ہیں۔ اب بھی بک رہے ہیں۔

قدرت کا انتظام

قدرت کے بھی عجیب کھیل ہیں۔ قدرت کیسے کیسے انتظامات کرتی ہے۔ آج آپ اگر امریکہ جائیں تو وہاں جتنے آپ کو گورے نظر آئیں گے، اتنے ہی کالے بھی نظر آئیں گے۔ وہ پرانے امریکی نیشنل ہیں۔ قانونی اعتبار سے برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ اب یہ کالے ان گوروں کیلئے وبال جان بنے ہوئے ہیں۔ وہی سیاہ فام جنہیں غلام بنا کر امریکہ لایا گیا تھا۔ انہوں نے گوروں کے ناک میں دم کیا ہوا ہے۔ وہ اپنے حقوق مانگتے ہیں۔ مجبوراً امریکی حکومت کو ان کے حقوق دینے پڑتے ہیں، اگرچہ صدیوں تک انہوں نے غلامی کی لیکن اب غلامی کے خاتمے کی وجہ سے انہوں نے آزادی حاصل کر لی ہے اور برابر کے امریکی شہری ہیں۔

اسلام میں غلامی کا تصور

غلامی کے متعلق انسانی حقوق کے علمبردار امریکہ اور اس کے حواری یورپ

مسائل کا طرز عمل بیان کرنے کے بعد اب ہم بتاتے ہیں کہ اسلام میں غلامی کا کیا تصور ہے؟ اسلام پہلا دین ہے جس نے غلامی کے راستوں پر قدغن لگا دی۔ انسانوں کو غلام بنانے کے راستہ میں جابجا رکاوٹیں اور پابندیاں عائد کیں، اور اگر اتنی پابندیوں کے اندر رہتے ہوئے کسی کو غلام بنایا گیا تو پھر ان غلاموں کے زبردست حقوق مقرر کئے اور ان کی آزادی کے بے انتہا راستے کھولے اور جب تک وہ غلام رہیں انہیں عزت کی زندگی عطا کی۔ گویا نام تو غلامی کا رہا لیکن عملاً غلامی ختم کردی گئی، غلام بھائی بنادیئے گئے، ہر غلام مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ مسلمان اپنے غلاموں کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرتے تھے۔ یہ ایک لمبی داستان ہے۔ (جو آگے آئے گی) پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اسلام میں غلام بنانے کی یہ کیا شرائط ہیں۔

اسلام میں غلام بنانے کی شرائط

اسلام میں غلام بنانے کیلئے متعدد شرائط ہیں۔ جن میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو غلام نہیں بنا سکتا خواہ وہ دوسرا مسلمان کالا ہو یا گورا، اس کا تعلق دنیا کی کسی بھی نسل، علاقے اور زبان سے ہو، اُسے غلام بنانا جائز نہیں کیونکہ دنیا میں بسنے والے سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ یہ شرط اسلام میں ہے دوسرے مذاہب میں اس کی کوئی پابندی نہیں تھی جیسے یہ کہ عیسائی عیسائی کو غلام بنالیتا تھا۔ یہودی، یہودی کو غلام بنالیتا تھا وغیرہ، تو اس شرط کی وجہ سے دنیا میں بسنے والے انسانوں کی کتنی بڑی تعداد غلامی سے محفوظ کردی گئی۔ اس وقت دنیا میں ایک ارب سے زیادہ مسلمان ہیں۔ یہ سب مسلمان ہمیشہ کیلئے غلامی سے محفوظ ہوگئے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تمام کافروں کو غلام نہیں بنا سکتے بلکہ صرف انہی کافروں کو غلام بنایا جاسکتا ہے جو جنگ کے دوران ہمارے مقابلے میں آئیں۔

کافروں کی تین قسمیں

کافروں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک کافر وہ ہیں جو مسلمان ممالک میں رہتے ہیں۔ اسلامی ملک اور اسلامی حکومت کے قانون کی پابندی کرتے ہیں جیسے پاکستان میں یہود، عیسائی، ہندو، پارسی، قادیانی وغیرہ رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو غلام بنانا جائز نہیں، نہ مرد کو، نہ عورت کو، نہ چھوٹے کو، نہ بڑے کو تو اس طرح کافروں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد غلامی سے بچادی گئی۔ دوسرے کافر وہ ہیں جو کسی غیر مسلم ملک میں رہتے ہیں اور ویزہ لیکر اسلامی ملک میں آتے ہیں۔ انہیں شریعت کی اصطلاح میں ''مستامن'' کہا جاتا ہے۔ انہیں بھی غلام بنانا جائز نہیں خواہ مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا بچہ، باقی دنیا میں جو کافر بچ گئے انہیں بھی اس طرح غلام بنانا جائز نہیں کہ جب چاہو پکڑ لو اور غلام بنالو جیسا کہ یورپ والوں نے کیا۔ بلکہ اس کا اصول یہ ہے کہ اگر کبھی مسلمانوں کی کسی کافر قوم سے جنگ ہو اور اس جنگ کے دوران کچھ قیدی پکڑے جائیں، تو ان قیدیوں کو پکڑنے کے بعد اسلامی حکومت کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو ان قیدیوں کو ویسے ہی بلا معاوضہ چھوڑ دے یا فدیہ (معاوضہ) لے کر چھوڑے اور اگر چاہے تو ان کو غلام بنالے۔ اس تفصیل میں بھی پہلی دو صورتوں میں غلامی نہیں آئی۔

اسلام نے قیدی بنا کر رکھنے کی حوصلہ افزائی کیوں نہیں کی؟

اگرچہ اسلامی تعلیمات کی رو سے جنگ کے دوران پکڑے جانے والے کافروں کو قیدی بنانا جائز ہے لیکن اسلام نے قیدی بنا کر رکھنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی اور اس بات کو پسند نہیں کیا کہ ان انسانوں کو جیل میں ڈال کر سڑنے دیا جائے، ملک کے

خزانے پر بوجھ ڈالا جائے، انسان کو بالکل بیکار کر کے ڈال دیا جائے کہ کھانے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں۔ عام طور پر جیلوں میں پڑے ہوئے قیدی طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جنسی جرائم کے بھی مرتکب ہوتے ہیں اور پھر ان میں مختلف طرح کی بیماریاں پھیلتی ہیں اور پھر یہ کہ ان قیدیوں پر مختلف طرح کے مظالم بھی ڈھائے جاتے ہیں جیسے کیوبا میں ہمارے بھائیوں پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔

کیوبا کے قیدیوں پر ہونے والے مظالم

آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت کیوبا میں ہمارے بھائیوں پر کیا قیامت ٹوٹ رہی ہے، تصویریں آ چکی ہیں، کیوبا کے قیدیوں کی حالت یہ ہے کہ انسانی حقوق کے علمبرداروں نے انہیں اکڑوں بٹھا رکھا ہے۔ اکڑوں بیٹھنا کس قدر مشکل ہے اگر صرف دو گھنٹے کے لئے اکڑوں بیٹھنا پڑے تو پتہ چل جاتا ہے، اور ان قیدیوں کو اسی حال میں کئی مہینے گذر گئے ہیں، ہاتھ پیچھے سے بندھے ہوئے ہیں، کانوں میں روئی ٹھونسی ہوئی ہے تاکہ کوئی آواز سنائی نہ دے، آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی ہے تاکہ کوئی چیز نظر نہ آئے، ناک میں روئی ٹھونسی ہوئی ہے تاکہ کوئی بو یا بدبو سنگھائی نہ دے، ہاتھوں پر موٹے موٹے دستانے چڑھائے گئے ہیں تاکہ وہ اپنے آپ کو چھو کر محسوس نہ کر سکیں۔ اسی حالت میں اکڑوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان پر کیا قیامت ٹوٹ رہی ہے، وہ جانتے ہیں یا پھر ان کا رب جانتا ہے۔

اسلام ایسے انسانی حقوق کا روادار نہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ اس سے بہتر تو یہی ہے کہ تم ان قیدیوں کو غلام بنا لو۔

غلاموں کے حقوق

لیکن غلام بنانے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ان غلاموں کے حقوق بھی ادا کئے جائیں، مثلاً ان کے کھانے پینے کا انتظام بھی کرو، انہیں تعلیم بھی دلواؤ، ان کی تربیت بھی کرو، ان کی شادیاں بھی کرو، انہیں معاشرے کا حصہ بناؤ، انہیں کاروبار میں لگاؤ، ان کو عہدے اور ملازمتیں بھی دو، البتہ ملکیت تمہاری رہے گی، اور اگر کسی عورت کو باندی بناؤ تو اس کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کی بھی اجازت ہے، شرعاً مالک اور باندی کے درمیان وہ جنسی تعلق قائم ہوسکتا ہے جو میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے لیکن اس تعلق کے نتیجہ میں اگر بچہ پیدا ہوجائے تو وہ آزاد ہوگا۔

غلام جنگی قیدی ہیں لیکن ....

گویا غلام جنگی قیدی ہیں۔ ان جنگی قیدیوں کو غلام و باندی کا نام دیا گیا، لیکن ان قیدیوں کو جیلوں میں بے کار نہیں رکھا، کمروں میں نہیں بٹھایا، ہاتھ پاؤں نہیں باندھے، بیڑیاں نہیں ڈالیں، بلکہ انہیں چلتا پھرتا رکھا تا کہ ان کی صحت بھی ٹھیک رہے، خوش بھی رہیں، تعلیم و تربیت بھی حاصل کریں اور ترقیاں بھی کریں۔ اسلامی تاریخ میں ایسے غلاموں کی تعداد بے شمار ہے جو بڑے بڑے علماء و مشائخ، سائنس دان اور فلکیات کے ماہرین بنے ہیں۔ فوج کے سردار اور جرنیل بنے ہیں حتیٰ کہ بادشاہ بھی بنے ہیں۔

قیدی بنانے کا بہتر طریقہ

پھر اس طرح غلام بنانے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ ان کی وجہ سے حکومت

کے خزانے پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا۔ اتنے قیدیوں کو اگر جیلوں میں رکھا جائے تو ان کے لئے بہت بڑی جیل بنوانی پڑتی ہے۔ ان کی حفاظت کیلئے عملہ رکھنا پڑتا ہے۔ کھانے کا انتظام کرنا پڑتا ہے لیکن پھر بھی وہ مصیبت اور پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اسلام کی اختیار کردہ صورت میں حکومت کو ان قیدیوں پر کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا اور قیدی بھی زیادہ آرام سے رہتے ہیں، ان کی صحت بھی زیادہ اچھی رہتی ہے اور پھر یہ کہ ان کے تمام فطری اور جنسی تقاضوں کے پورے ہونے کا انتظام بھی ہوتا ہے تو بتلایئے کہ قیدی بنانے کا یہ طریقہ زیادہ اچھا ہے یا وہ طریقہ زیادہ اچھا ہے جو مغرب نے اختیار کر رکھا ہے۔

اسلام غلامی کو ختم کرنا چاہتا ہے

بات صرف یہاں پر ختم نہیں ہوتی کہ اسلام نے قیدی بنانے کا ایک بہتر طریقہ اختیار کیا اور ان قیدیوں کو غلاموں کا نام دیکر انہیں ان کے تمام حقوق دیئے، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلام اس غلامی کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام نے غلامی کے سلسلہ میں جو اقدامات کئے ہیں۔ ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج جو دنیا میں غلامی کا طریقہ ختم ہوا ہے، یہ دراصل اسلام کی اسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔

غلامی کے خاتمے کیلئے اسلام کے اقدامات

غلامی کے خاتمہ کیلئے اسلام نے بہت اہم اقدامات کئے۔ جن میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ غلام کو آزاد کرنے کے اتنے زیادہ راستے بنا دیئے کہ بہانے بہانے سے غلام کو آزادی مل جاتی ہے۔ غلام کی آزادی کی صورتیں یہ ہیں۔

غلام آزاد کرنے کی فضیلت

اسلام نے پہلا کام تو یہ کیا کہ غلام آزاد کرنے کا ثواب بہت زیادہ رکھا۔ یہ حدیث آپ کے سامنے ہے جس میں بتلایا گیا کہ سب سے افضل عمل ایمان باللہ ہے۔ اس کے بعد سب سے بڑا عمل جو اس حدیث میں بتلایا گیا وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس کے بعد سب سے بڑا عمل، غلام کو آزاد کرنا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی غلام کو آزاد کرتا ہے تو اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کا ہر عضو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ غلام آزاد کرنے کے اور بھی متعدد فضائل ہیں۔

مختلف کفاروں میں غلام کی آزادی

معاملہ صرف یہیں پر ختم نہیں ہوا کہ غلام آزاد کرنے کو صرف ایک فضیلت کی چیز قرار دیا گیا ہو، بلکہ اس سلسلے میں کچھ قوانین بھی مقرر فرما دیئے گئے مثلاً یہ کہ چار قسم کے اعمال ایسے ہیں کہ ان کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔

کفارۂ قتل

پہلی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو غلطی سے قتل کرے مثلاً جانور کا شکار کرنا چاہتا تھا لیکن غلطی سے گولی انسان کو لگ گئی اور وہ شخص مر گیا تو یہ قتل خطا ہے، ایسے قتل میں دیت بھی واجب ہوتی ہے جسے ''خون بہا'' کہا جاتا ہے۔ دیت کی قیمت لاکھوں روپے تک ہوتی ہے۔ پاکستان میں یہی قانون رائج ہے۔ یہ

دیت مقتول کے ورثاء کو دی جاتی ہے لیکن دیت کے ساتھ اس عمل کا کفارہ ادا کرنا بھی ضروری ہے اور وہ کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر غلام دستیاب نہ ہو تو پھر دوسری صورت یہ ہے کہ پے درپے دو مہینے کے روزے رکھنا ضروری ہیں۔ آج کل چونکہ غلام موجود نہیں اس لئے روزے رکھنے ہوں گے۔

کفارۂ ظہار

دوسری صورت کفارۂ "ظہار" ہے۔ عربوں میں یہ رواج تھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہہ دیتا" أنت علی کظھر امی" "تم مجھ پر میری ماں کی کمر کی طرح ہو" یعنی جس طرح میری ماں مجھ پر حرام ہے۔ اسی طرح تم بھی مجھ پر حرام ہو۔ اس طرح کہنے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ اب حکم یہ ہے کہ اگر بیوی کو اپنے پاس رکھنا چاہے ہو تو اس کا کفارہ ادا کرو، اور کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرو، اگر غلام آزاد نہیں کر سکتے تو پے درپے دو مہینے کے روزے رکھو۔

جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر جان بوجھ کر اسے توڑ ڈالے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ یا تو غلام آزاد کرے یا پھر دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے۔ اس کے اور کفارۂ ظہار کے احکام ایک جیسے ہیں۔

قسم توڑنے کا کفارہ

چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے اور پھر اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ما تطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام﴾۔ (المائدۃ:۸۹)

یعنی "دس مسکینوں کو کھانا کھلا دو یا انہیں جوڑے پہنا دو یا غلام آزاد کرو"۔

دیکھئے مذکورہ گناہوں کے کفاروں کے اندر ہر جگہ غلام کے آزاد کو کفارہ کے طور پر ذکر کیا جارہا ہے اور اگر غلام نہ ہو تو اس صورت میں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

"تو آزاد ہے" کہنے سے غلام کی آزادی

اس کے علاوہ ایک اور قانون یہ بنایا کہ اگر کوئی شخص زبان سے یہ کہہ دے کہ "تو آزاد ہے" تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ اس کی غلامی فوراً ختم ہو جاتی ہے۔ اس میں کہنے والے کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، یہ جملہ خواہ وہ آزاد کرنے کی نیت سے کہے یا کسی اور نیت سے کہے، ہر صورت میں غلام آزاد ہو جاتا ہے مثلاً کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ میاں تم بڑے ذہین آدمی ہو لیکن غلطی سے زبان سے یہ جملہ ادا ہو گیا کہ تم آزاد ہو تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ اب اگر مالک یہ کہے کہ صاحب! میری تو نیت غلام آزاد کرنے کی نہیں تھی۔ میں نے تو غلطی سے کہہ دیا تھا تو اُسے جواب دیا جائے گا کہ نیت ہو یا نہ ہو، جب صاف لفظوں میں غلام سے یہ کہا کہ تو آزاد ہے، تو اب آزاد ہو گیا، اب غلام کی واپسی کی کوئی صورت نہیں۔

غلام کا آزاد کرنا طلاق دینے کی طرح ہے

یہ بالکل طلاق کی طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو صریح الفاظ میں طلاق

دے دے تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ نیت ہو یا نہ ہو۔ آج کل بہت سے لوگ بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ صاحب! میں نے تو غصے میں طلاق دی تھی۔ ان سے کوئی پوچھے کہ محبت میں طلاق کون دیتا ہے۔ سب غصے ہی میں تو دیتے ہیں۔ تو طلاق غصے میں دی جائے یا پیار میں، جان بوجھ کر دی جائے یا بھول کر جب لفظ طلاق صریح بولا جائے گا تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

تیر مارنے کی طرح

یہ دونوں معاملے بالکل تیر مارنے کی طرح ہیں جیسے کوئی شخص کہے کہ میں نے تیر تو مارا تھا لیکن میری نیت تیر مارنے کی نہیں تھی، تو اسے کہا جائے گا کہ نیت تھی یا نہیں تھی، سامنے والے کو تیر تو لگ گیا۔ اسی طرح غلام آزاد کرنے میں نیت ہو یا نہ ہو، غلام آزاد ہو جائے گا اور صریح طلاق میں نیت ہو یا نہ ہو، بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

غلامی کے خاتمے کیلئے ایک اور قانون

مذکورہ تمام صورتوں کے علاوہ غلامی کے خاتمہ کیلئے ایک اور قانون یہ بنایا گیا کہ اگر مسلمانوں کا کسی غیر مسلم قوم سے جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ معاہدہ ہو جائے کہ وہ ایک دوسرے کے قیدیوں کو غلام نہیں بنائیں گے تو شرعاً اسکی پابندی لازمی ہو جاتی ہے اور پھر کسی قوم کے قیدیوں کو غلام بنانا جائز نہیں رہتا۔

اس زمانہ میں غلامی کیسے ختم ہوئی؟

چنانچہ اس زمانہ میں غلامی ختم ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ

ہمارے سمیت دنیا کے بہت سے ممالک اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا دشمن اسرائیل بھی اقوام متحدہ کا رکن ہے اور ہم بھی اس کے رکن ہیں، اسی طرح ہمارا سب سے بڑا دشمن بھارت بھی اقوام متحدہ کا رکن ہے اور ہم بھی اس کے رکن ہیں، اور جتنے ممالک اقوام متحدہ کے رکن ہیں ان سب نے اقوام متحدہ کے ایک چارٹر پر دستخط کئے ہوئے ہیں اور یہ معاہدہ کیا ہے کہ ہم اقوام متحدہ کے قوانین کی پابندی کریں گے۔ ان قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ اگر جنگ ہوگی تو کوئی بھی قوم کسی دوسری قوم کے جنگی قیدیوں کو غلام نہیں بنائے گی۔ چنانچہ اب اسلام کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر ہماری جنگ کسی بھی ایسے ملک سے ہو جو اقوام متحدہ کا رکن ہے تو ہم ان کے جنگی قیدیوں میں سے مردوں کو غلام اور عورتوں کو باندی نہیں بنا سکتے اور وہ بھی ہمارے جنگی قیدیوں کو غلام اور باندی نہیں بنا سکتے۔

گذشتہ جہادِ افغانستان میں روسیوں کو غلام بنانے کا مسئلہ

لیکن اسلام کی رو سے اس حکم کا اطلاق ان ممالک کیلئے ہوگا جو اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔ جو ممالک اقوام متحدہ کے رکن نہیں، ان کیلئے یہ حکم بھی نہیں چنانچہ جب افغانستان میں روسیوں کے خلاف جہاد ہو رہا تھا اور مجاہدین اپنے سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے تو یہ مجاہدین وہ لوگ تھے کہ جن کی نہ اپنی کوئی حکومت تھی اور نہ یہ کسی اور حکومت کے ماتحت تھے چنانچہ یہ اقوام متحدہ کے رکن بھی نہیں تھے۔ اس وقت میں ان مجاہدین سے کہا کرتا تھا کہ ان روسیوں کو پکڑو اور غلام بناؤ اور اگر ان کی عورتیں ہاتھ آجائیں تو انہیں باندی بناؤ۔ ہم پاکستانیوں کیلئے تو انہیں غلام بنانا جائز نہیں، تمہارے لئے جائز ہے، اس لئے کہ ہم اقوام متحدہ کے رکن ہیں، تم اس کے رکن نہیں ہو۔

اسلام میں انسانی احترام

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام نے انسانی احترام اور عظمت کا اتنا خیال رکھا کہ غلام بنانے کے بہت سے راستے مسدود کر دیئے اور یہ کوشش کی کہ غلامی بھی بدستور کم واقع ہوتی رہے یہاں تک کہ ختم ہو جائے اور جب تک یہ غلامی رہے تو غلاموں کی حالت قیدیوں سے ہزار درجہ بہتر رہے جو عمر دراز تک جیلوں کے اندر گلتے رہتے ہیں اور شدید مظالم کا شکار ہوتے ہیں۔ (تفصیل پیچھے گذر چکی)

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم

اسلام نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے جو احکامات اور ترغیبات دی ہیں، ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کا صرف نام ہی نام ہے، ورنہ غلام تو درحقیقت بھائی ہوتا ہے، آدمی اس جنگی قیدی کو اپنا بھائی بنالیتا ہے کیونکہ شریعت نے ان کے ساتھ اس طرح معاملہ کرنے اور ان سے کام لینے کا حکم دیا ہے جس طرح بھائیوں سے لیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ اس پر کام کا اتنا بوجھ مت ڈالو جسے وہ برداشت نہ کر سکے، اگر کبھی اتنا کام بتاؤ تو اسکے ساتھ خود بھی حصہ لو اور اس کی مدد کرو اور ایک مستحب حکم یہ بھی ہے کہ جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ، ایسا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا معمول بھی تھا کہ جو خود پہنتے تھے، وہی غلام کو پہناتے۔ چنانچہ ایک صحابی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابوذر غفاری

رضی اللہ عنہ سے ملنے کیلئے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بدن پر ایک عمدہ چادر ہے لیکن تہبند کسی اور کپڑے کا ہے اور دوسری اسی طرح کی عمدہ چادر ان کے غلام کے بدن پر ہے اور اس کا تہبند بھی کسی اور کپڑے کا ہے۔ تو اس صحابی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر دونوں عمدہ کپڑوں کو آپ ہی استعمال کر لیتے تو آپ کے پاس ایک حلہ (سوٹ) بن جاتا اور ہلکے درجے کی دونوں چادریں غلام کو دے دیتے تو اس کے پاس بھی ایک حلہ بن جاتا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو تم خود پہنو، وہی لباس اپنے بھائیوں (غلاموں) کو بھی پہناؤ۔ لہٰذا مجھے یہ پسند نہیں کہ میں عمدہ لباس پہنوں اور غلام کے پاس کم درجے کا لباس ہو۔ لہٰذا اگر میں یہ دونوں عمدہ چادریں استعمال کر لیتا تو میرے بھائی (غلام) کو اس جیسا لباس نہ ملتا۔

غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال کرتے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال فرمایا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

﴿اخوانکم وخولکم﴾

”یہ تمہارے بھائی اور خادم ہیں“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ سے شام کے علاقہ فلسطین تشریف لے گئے تو آپ کے پاس ایک سواری تھی اور ایک

غلام بھی ساتھ تھا تو آپ نے غلام کے ساتھ باری مقرر کر رکھی تھی کہ اتنی دیر تم پیدل چلو گے، میں سواری کروں گا اور اتنی دیر میں پیدل چلوں گا تم سواری کرو گے، برابر برابر کی باری مقرر کر رکھی تھی۔ کل ایک مہینے کا سفر تھا، اسی طرح باری باری سواری کر کے شام کے علاقہ میں پہنچے۔

اس زمانہ میں شام بڑا متمدن علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ وہاں کے لوگ پڑھے لکھے، ترقی یافتہ اور شہری قسم کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ وہاں کے لوگوں کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو استقبال کیلئے ایک زبردست مجمع باہر آیا۔ چونکہ یہ علاقہ فتح ہو چکا تھا۔ اس لئے استقبال کیلئے اسلامی لشکر بھی آیا تھا اور ان کے علاوہ نو مسلم لوگ اور کچھ غیر مسلم سردار اور عام لوگ بھی استقبال کیلئے آئے تھے کہ وہ امیر المؤمنین آ رہے ہیں جن کی حکومت درجنوں ممالک پر پھیلی ہوئی ہے اور جن کی عظمت کا ڈنکا پوری دنیا میں بج رہا ہے۔

اتفاق کی بات دیکھئے کہ جب وہ مقام آیا جہاں پر استقبال کرنے والے آپ کو دیکھ سکتے تھے تو اس وقت غلام کے سوار ہونے اور آپؓ کے پیدل چلنے کا نمبر آ گیا چنانچہ آپؓ اس شہر میں اس حال میں داخل ہوئے ہیں کہ غلام سوار تھا اور آپؓ اسکے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔

غلام کو تھپڑ مارنے پر بدلہ دلوانا

ایک صحابی کے بیٹے نے غلام کو تھپڑ مار دیا اور پھر بھاگ گیا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اگرچہ یہ غلام ہے لیکن میرا والد اس بات کو بھی برداشت نہیں کریگا اور وہ میری پٹائی کریگا۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ظہر کے وقت گھر واپس پہنچا تو باپ نے مجھے بلالیا اور اس غلام کو بھی بلایا اور پھر اس غلام سے کہا کہ اپنا بدلہ لے لو۔

تھپڑ مارنے پر آزادی

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو تھپڑ مار دیا تو پھر فوراً اسے آزاد کر دیا، اور پھر فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اگر کوئی شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے تو پھر اسے آزاد کر دے!" اس حدیث پر علماء کرام نے کلام کیا ہے کہ کیا اس صورت میں غلام کا آزاد کرنا واجب ہے یا مستحب ہے؟ اس میں دونوں احتمال ہیں تاہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا ظاہری مفہوم یہ بتلاتا ہے کہ غلام کو تھپڑ مارنے کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔ اب غور کیجئے کہ ایک تھپڑ کہاں اور ایک پورے غلام کی آزادی کہاں۔

مارنے پر آزاد کرنے کا ایک اور واقعہ

ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے اور وہ غلام یہ کہہ رہا تھا "اللہ کی پناہ، اللہ کی پناہ" لیکن وہ صحابی غصے کی وجہ سے اس کا یہ جملہ سن نہیں رہے تھے۔ غلام نے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا کہ "رسول اللہ کی پناہ، رسول اللہ کی پناہ" پہلے غصہ کی وجہ سے ان صحابی نے غلام کا پہلا جملہ سنا نہیں تھا لیکن اب شاید غصہ کچھ کم ہو چکا تھا، اس لئے غلام نے جب "رسول اللہ کی پناہ" کا جملہ بولا تو ان صحابی نے سن لیا، پلٹ کر دیکھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر انہوں نے فوراً اپنا وہ کوڑا پھینک دیا جس سے غلام کو مار رہے تھے اور فرمایا کہ یہ غلام اللہ کیلئے آزاد ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تجھے پکڑ لیتی۔

غلام بادشاہ بنے

یہ تھی وہ غلامی جس کی اجازت اسلام نے دے رکھی تھی کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا پورا پورا خیال رکھا گیا، اور اتنا خیال رکھا کہ باندیوں کی اولاد کو بادشاہ تک بنا دیا۔ چنانچہ تاریخ اسلام اور بنو عباس واندلس کی تاریخ میں کئی مرتبہ یہ واقعات پیش آئے کہ بادشاہ کے حرم میں باندی تھی، اس سے اولاد پیدا ہوئی، وہ شہزادے بنے اور پھر یہی شہزادے اسلامی حکومت کے فرمانروا بنے۔ چنانچہ خلافت بنو عباس کے دور کے مشہور خلیفہ ہارون الرشید کا بیٹا مامون الرشید جو ایک عرصے تک بادشاہ رہا ایک باندی کا بیٹا تھا۔ اب دیکھئے کہ اسلام نے باندی کو کتنا اونچا مقام دیا کہ اس کے بیٹے کو بادشاہ بننے کا موقع دیا۔

خلافت بنو عباس کی زمینی وسعت

اور اس زمانے میں مسلمانوں کی زیر نگیں سلطنتیں بھی بڑی بڑی ہوتی تھیں چنانچہ یہی بنو عباس جن کا تذکرہ پیچھے ہوا، ان کی حکومت پورے براعظم ایشیا، عراق اور افریقہ کے بہت سے ممالک پر تھی۔ بنو عباس کے دور میں ایک مشہور خلیفہ ابوجعفر منصور گذرے ہیں۔ ان کے دور کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ دارالخلافہ بغداد میں پانی کی سخت قلت ہوئی، لوگ بارش کیلئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ ایک روز ایک گھنگھور گھٹا بغداد کے اوپر آئی۔ سب خوش ہو گئے کہ اب بارش ہوگی، خلیفہ منصور بھی بڑی امید کے ساتھ اپنے محل سے باہر نکلے اور بادل کو دیکھنے لگے لیکن خلیفہ منصور اور اہل بغداد دیکھتے ہی رہے، وہ بادل بغداد سے گذر کر آگے چلا گیا۔ یہ منظر دیکھ کر خلیفہ منصور نے مسکرا کر کہا کہ اے بادل! تو جہاں چاہے جاکر برس، تیرے پانی کی جو پیداوار ہوگی،

اس کا خروج تو نہیں آئے گا، تو اسلام نے اتنے بڑے علاقوں اور سلطنتوں کا بادشاہ غلاموں کو بنادیا۔

غرض غلام سے متعلق یہ ساری تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ایک حصہ کی تشریح کی گئی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کو آزاد کرنا افضل عمل قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کو سمجھنے کی اور دین پر صحیح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین
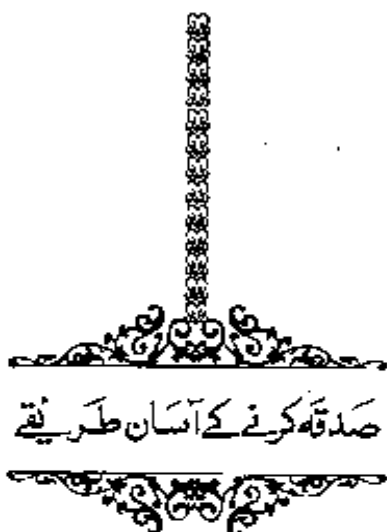
صدقہ کرنے کے آسان طریقے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿صدقے کی آسان قسمیں﴾

خطبہ مسنونہ!

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ: ان ناساً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالواللنبی صلی اللہ علیہ وسلم: یارسول اللہ، ذھب اھل الدثور بالأجور یصلون کما نصلی و یصومون کما نصوم و یتصدقون بفضول اموالھم. قال: أولیس قدجعل اللہ لکم ما تصدقون، ان بکل تسبیحۃ صدقۃ و کل تکبیرۃ صدقۃ و کل تحمیدۃ صدقۃ و کل تھلیلۃ صدقۃ و أمر بالمعروف صدقۃ و نھی عن منکر صدقۃ و فی بضع احدکم صدقۃ. قالوا: یارسول اللہ، أیاتی أحدنا شھوتہ و یکون لہ فیھا أجر؟ قال: "أرأیتم لووضعھا فی حرام أکان علیہ وزر؟ فکذالک اذا وضعھا فی الحلال کان لہ اجر"

(مسلم، ج۲، ص۶۹۷ رقم الحدیث ۱۰۰۶)

و عن ابی ذر ایضاً رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: یصبح علی کل سلامی من أحدکم صدقۃ، فکل تسبیحۃ صدقۃ و کل تحمیدۃ صدقۃ، و کل تہلیلۃ، وکل تکبیرۃ صدقۃ، و امر بالمعروف صدقۃ و نہی عن المنکر صدقۃ و یجزی من ذلک رکعتان یرکعہما من الضحی" (رواہ مسلم)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من غدا الی المسجد اوراح، اعد اللہ لہٗ فی الجنۃ نزلاً کلما غدا اوراح" (متفق علیہ)

غریب صحابہؓ کی شکایت:

اس حدیث میں صدقہ کرنے کے مختلف اور عجیب طریقے ذکر کئے گئے ہیں۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے:

ایک مرتبہ غریب صحابہ کرام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت کی کہ امیر صحابہ نے تو خوب ثواب کما لیا، زکوٰۃ دی تو اس کا ثواب ان کو ملا، قربانی کی تو اس کا ثواب ان کو ملا، صدقۃ الفطر اور نفلی صدقات دیئے تو ان کا ثواب ملا۔ ان سب چیزوں کا ثواب صرف انہیں ملا۔ چونکہ ہمارے پاس مال نہیں، اس لئے ہمیں ان چیزوں کا ثواب نہ مل سکا۔ جب کہ وہ اعمال جو ہم کرتے ہیں، وہ مالدار بھی کرتے ہیں مثلاً نماز ہم پڑھتے ہیں، وہ بھی پڑھتے ہیں، روزہ ہم بھی رکھتے ہیں، وہ بھی رکھتے ہیں تو اس طرح یہ مالدار لوگ ہم سے بہت آگے نکل جائیں گے کیونکہ جن اعمال میں وہ ہمارے ساتھ شریک ہیں، ان کا ثواب انہیں بھی ملتا ہے اور ان کو

بھی ملتا ہے لیکن جو اعمال صرف وہ کر سکتے ہیں، ان کا ثواب ہمیں تو ملتا ہے، ہمیں نہیں ملتا۔ تو اس طرح جنت کے داخلے کے وقت بھی صرف مالداروں کے مزے ہوں گے لہٰذا غریب لوگ دنیا میں بھی پیچھے ہیں، آخرت میں بھی پیچھے رہ جائیں گے۔

صدقے کی صورتیں:

ان کی یہ شکایت سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ کرنے کے مختلف طریقے بتائے۔ اور کہا یہ کہ تم میں سے ہر شخص صدقہ کر سکتا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا:

﴿إن بكل تسبيحة صدقة، وكل تكبيرة صدقة وكل تحميدة صدقة وكل تهليلة صدقة وامر بالمعروف صدقة ونهي عن المنكر صدقة وفي بضع أحدكم صدقة﴾

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کے ایسے طریقے بتا دیئے کہ غریب سے غریب آدمی بھی اسے کر سکتا ہے۔ وہ یہ کہ سبحان اللہ کہنا بھی صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا بھی صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا بھی صدقہ ہے، لا الٰہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے۔ اب یہ صدقات کرنا کتنا آسان ہے۔ مالدار حضرات اتنا لاتعداد اپنا مال خرچ نہیں کر سکتے جتنی لاتعداد مرتبہ یہ کلمات پڑھ کر غریب صدقات کا ثواب حاصل کر سکتا ہے۔ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے ان کلمات کو پڑھتے رہیں، صدقہ ہوتا رہے گا اور اس طرح مالداروں سے بھی آگے نکل جاؤ گے۔

دین میں کہیں مایوسی نہیں:

دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین کیسا پیارا دین ہے کہ اس میں

کہیں مایوسی نہیں ہے، امید ہی امید ہے، امید کے راستے کھلے ہوئے ہیں، امید کی روشنیاں جگمگا رہی ہیں۔ غریب سے غریب، بیمار سے بیمار اور کمزور سے کمزور آدمی اگر کچھ نہیں کر سکتا تو سبحان اللہ، الحمد للہ تو کہہ سکتا ہے، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ تو کہہ سکتا ہے، درود شریف تو پڑھ سکتا ہے، استغفار تو کر سکتا ہے، یہ سب صدقات ہیں اور ان سے آخرت کا اجر و ثواب اور درجات کی بلندی ملنے والی ہے۔

امر بالمعروف صدقہ بھی، فریضہ بھی:

اور اس حدیث میں یہ بھی بتا دیا کہ امر بالمعروف یعنی کسی دوسرے کو نیک کام کی تلقین کرنا بھی صدقہ ہے، اور نہی عن المنکر یعنی کسی دوسرے کو کسی برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے۔ اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام صدقہ ہونے کے علاوہ بڑا اہم فریضہ بھی ہے۔ کسی برائی کو دیکھنے کے بعد اسے مقدور بھر ختم کرنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اور اسی طرح اپنی قدرت کے بقدر دوسروں کو نیک کام کی تلقین کرنا بھی ضروری ہے مثلاً کوئی نماز نہیں پڑھتا تو اسے نماز پڑھنے کی ترغیب دینا وغیرہ صدقہ بھی ہے اور ایک حد تک مسلمان کا فریضہ بھی ہے۔ اور یہ دین کا قطب اعظم ہے۔

اور یہ عمل اپنے اپنے درجے میں فرض ہوتا ہے۔ باپ پر فرض ہے کہ اپنی اولاد کو نماز کی تلقین کرے، ناجائز کاموں سے روکنے کی کوشش کرے۔ شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کو سمجھائے، استاذ پر لازم ہے کہ وہ شاگردوں کو سمجھائے اور ایک دوست کے لئے ضروری ہے کہ اپنے دوسرے دوست کو نیکی کی تلقین کرے۔

امر بالمعروف کب صدقہ بنے گا؟:

لیکن یاد رکھئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس وقت صدقہ بنے گا جب یہ کام اصول وضوابط کے مطابق کیا جائے۔ عام طور پر لوگوں سے اس میں بہت کوتاہی ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب کوئی شخص امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرتا ہے تو جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا صحیح طریقہ معلوم نہیں ہوتا۔

ہمیں کسی کو ڈانٹنے کا اختیار نہیں:

یہ کام جتنا زیادہ ضروری ہے اتنا ہی یہ نازک بھی ہے۔ اگر یہ کام سنت کے مطابق کیا جائے گا تو اس کا فائدہ بھی ہوگا اور ثواب بھی ملے گا اور اگر سنت کے خلاف کیا جائے گا تو اس کے اُلٹے اثرات پڑیں گے۔ مثلاً ایک شخص مسجد میں وضو کر رہا ہے، آپ نے دیکھا کہ اس کا ایک عضو خشک رہ گیا تو اس صورت میں آپ کا کام یہ ہے کہ آپ اسے چپکے سے جا کر کہہ دیتے کہ میاں تمہاری یہ کہنی خشک رہ گئی ہے۔ لیکن اگر دور سے ہی آپ نے اسے کہہ دیا کہ دیکھو تمہاری کہنیاں خشک رہ گئی ہیں، وضو کرنا تو سیکھو۔ اب اسی بات پر جھگڑا ہو جائے گا کیونکہ آپ نے اپنے اس عمل سے اس کا دل دکھا دیا اور اس کی توہین کر دی جس کا آپ کو کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اس نے تو صرف ایک غلطی کی کہ وضو صحیح طرح نہ کیا لیکن آپ نے کئی غلطیاں کر دیں۔ ایک مسلمان کا دل دکھا دیا، اُسے ذلیل ورسوا کیا اور اُسے ڈانٹا حالانکہ آپ کو ان میں سے کسی بات کا بھی حق نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہ شخص آپ کا ماتحت نہیں، آپ کا شاگرد نہیں، آپ کا خادم نہیں ہے ہاں آپ صرف اس سے درخواست کر سکتے ہیں، ڈانٹنے اور سخت کلامی کا بالکل اختیار نہیں۔

فرعون کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت:

اور پھر یہ آپ کو اس کا کیا اختیار حاصل ہوتا؟ اللہ رب العزت نے جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو انہیں بھی فرعون کو ڈانٹنے کا اختیار نہیں دیا بلکہ یوں فرمایا:

﴿فقولا له قولا لينا﴾

"اس سے نرمی سے بات کرنا"

حالانکہ فرعون وہ شخص تھا جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور اس کا یہ اعلان تھا کہ "انا ربكم الاعلى" (میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک مقولہ:

ہمارے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مخاطب فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں اور ہم موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے زیادہ مصلح نہیں۔ جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اپنے مخاطب فرعون کے مقابلہ میں سخت کلامی کی اجازت نہیں دی گئی تو ہمیں اپنے مخاطب سے سخت کلامی کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔

مسجدوں میں جھگڑے کیوں ہوتے ہیں؟:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ بنیادی اصول ہے۔ اس سے بہت کم لوگ واقف ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج کل مسجدوں میں جگہ جگہ جھگڑے ہوتے ہیں مثلاً آج آپ نے کسی کو مسجد میں سب کے سامنے ڈانٹ دیا اور ذلیل کر دیا تو اس کے دل میں گرہ پڑ گئی۔ اب آئندہ وہ اس فکر میں رہے گا کہ میں بھی کسی طرح وہ آپ کو

ذلیل کرے۔ آپ کی برائیاں تلاش کرے گا اور انہیں دوسروں کے سامنے بیان کرے گا۔ آپ کو پتہ چلے گا تو اس سے نفرت پیدا ہوگی، جس کے نتیجہ میں جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے۔

بدعات ختم کرنے کا صحیح طریقہ:

بعض مرتبہ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ مسجد میں بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بدعت کا عمل ناجائز اور حرام ہے، لیکن اُسے بھی سخت کلامی سے روکنا درست نہیں کیونکہ اس طرح کرنے سے جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کسی وقت تنہائی میں عزت و احترام کے ساتھ، اپنے آپ کو چھوٹا اور اس کو اپنے سے بڑا ظاہر کر کے نرمی اور خیر خواہی کے انداز میں بات کریں اور بہتر یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ رب العزت سے دعا بھی کر لیں کہ اے اللہ مجھے اخلاص نصیب فرمادے اور میری بات میں اثر بھی پیدا فرمادے۔

لیکن آج کل عام طور اس کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میں اس سے بلند ہوں اور اپنی بڑائی اور اس کی حقارت ظاہر کرنے کے لئے سخت لہجے میں اُسے منع کیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے کہ برائی، برائی سے نہیں مٹا کرتی، برائی خیر سے مٹا کرتی ہے۔

ایک حرام کو اگر آپ حرام افعال کا ارتکاب کر کے مٹانا چاہیں گے تو اس سے حرام تو پھیلے گا، خیر نہیں پھیلے گی۔

ایک عجیب صدقہ:

اور اس حدیث میں ایک اور صدقہ یہ بتلایا کہ "فی بضع أحدکم صدقة"

کہ میاں بیوی جو جنسی عمل کرتے ہیں، وہ بھی صدقہ ہے حالانکہ یہ عمل جنسی لذت حاصل کرنے اور شہوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے بظاہر اس میں عبادت کا کوئی پہلو بھی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک لذیذ عمل کو صدقہ بنا دیا۔

صحابہ کرامؓ کو یہ سن کر تعجب ہوا اور انہوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آدمی اپنی بیوی سے شہوت کو پورا کرے تو کیا اس پر بھی اُسے ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اپنی شہوت کو غلط طریقے سے پورا کرتا تو اُسے گناہ ہوتا یا نہ ہوتا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اُسے گناہ ہوتا تو آپ نے فرمایا کہ جب اس نے اپنے آپ کو حرام سے بچا کر حلال طریقے سے اپنی شہوت کو پورا کیا تو اُسے اس پر صدقے کا ثواب عطا کیا گیا۔

دیکھئے اللہ رب العزت نے دین کو کتنا آسان فرما دیا۔ ذکر کردہ اعمال میں سے بہت سے عمل ایسے ہیں کہ ان کا کرنا انتہائی آسان ہے مثلاً سبحان اللہ کہنا، الحمد للہ، اللہ اکبر کہنا، درود شریف پڑھنا، کلمہ پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔ اور ان میں یہ بھی پابندی نہیں کہ بیٹھ کر اور باوضو ہو کر پڑھو اور یہ بھی پابندی نہیں کہ حالت جنابت میں نہ ہو اور یہ بھی پابندی نہیں کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھو بلکہ جس حال میں بھی ہوں، انہیں پڑھا جا سکتا ہے۔ آپ بازار جا رہے ہیں تو بھی پڑھ سکتے ہیں، کہیں اور جا رہے ہیں تو بھی انہیں پڑھ سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ حالت جنابت میں اُسے چھونا اور پڑھنا جائز نہیں، بلاوضو پڑھ تو سکتے ہیں، چھو نہیں سکتے باقی تمام اذکار بلاوضو اور جنابت کی حالت میں بھی کر سکتے ہیں۔

امیر صحابہؓ کے اندر عبادت کی حرص:

غریب صحابہ کرام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نسخے پر عمل کرنا شروع کر دیا یعنی آپ کے بیان کردہ طریقے کے مطابق ذکر شروع کر دیا۔ ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مالداروں نے بھی یہ حدیث کہیں سے سن لی تو انہوں نے بھی وہ سب کام شروع کر دیئے، تسبیح، تہلیل، تکبیر اور امر بالمعروف وغیرہ وغیرہ کام کرنا شروع کر دیئے۔ اب یہ غریب صحابہ کرام دوبارہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اب تو مالدار بھی یہ کام کرنے لگے ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:

﴿ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء﴾

"یہ اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے"

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے انعام ہے کہ انہیں دونوں چیزوں کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

غریب صحابہؓ کی نئی تدبیر:

یہ جواب سننے کے بعد بہت سے غریب صحابہ کرامؓ نے سوچا کہ اب تو ہم پیچھے رہ گئے چنانچہ انہوں نے اس کی یہ تدبیر نکالی کہ مزدوری شروع کی، جنگل سے جاکر لکڑیاں کاٹیں، بازار لا کر انہیں فروخت کیا اور اس سے جو پیسے ملے، اس سے صدقہ و خیرات کیا۔ اسی طرح مختلف صحابہ نے مختلف طرح کے کام کئے اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کا صدقہ و خیرات کیا۔

صحابہ کرامؓ حقیقت کو سمجھ چکے تھے:

یہ صحابہ کرامؓ کی شان تھی کہ ان کے اندر نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے کا جذبہ، جنت کی طرف دوڑ کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ وہ دنیا کی حقیقت سمجھ چکے تھے کہ دنیا کی زندگی دھوکہ کی زندگی ہے، اس کا کوئی بھروسہ نہیں، اس کے لئے اتنی بھاگ دوڑ کرنی چاہئے جتنا ہمیں اس دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لئے اتنی بھاگ دوڑ کریں، جتنا آخرت میں رہنا ہے۔ دنیا کی اس محدود زندگی کو آخرت کی لامحدود زندگی کی تیاری کے لئے استعمال کیا جائے۔ صحابہ کرام اس راز کو سمجھ چکے تھے اس لئے ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ ہم نیکیوں میں آگے نکل جائیں۔

آج کل مال و دولت کے اندر دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ میں مال و دولت میں اس سے آگے نکل جاؤں، میرا مکان اس سے اعلیٰ ہو، میری گاڑی اس سے بڑھیا ہو، میرے کپڑے اس سے بہتر ہوں، میرا بینک بیلنس اس سے زیادہ ہو۔ یہ ہماری دوڑ ہے۔

لیکن صحابہ کرام کی دوڑ وہ تھی جس کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿سابقوا الی مغفرة من ربکم و جنة عرضها السموت والارض﴾ (آل عمران: ۱۳۳)

”تم دوڑ لگاؤ اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی زمین و آسمانوں کے برابر ہے“

اللہ رب العزت ہمیں صحابہ کرام کے طریقوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

(آمین)

دوسری حدیث:

وعن ابی ذر ایضاً رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: یصبح علی کل سلامی من أحدکم صدقۃ، فکل تسبیحۃ صدقۃ وکل تحمیدۃ صدقۃ، وکل تھلیلۃ، وکل تکبیرۃ صدقۃ، وأمر بالمعروف صدقۃ ونھی عن المنکر صدقۃ ویجزی من ذلک رکعتان یرکعھما من الضحی" (رواہ مسلم)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جسم میں جتنے جوڑ ہیں، ہر جوڑ کے بدلے میں انسان پر روزانہ ایک صدقہ واجب ہو جاتا ہے، پس سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صدقہ ہے اور چاشت کے وقت دو رکعتیں پڑھ لینا ان سب سے کفایت کرتا ہے''۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَيُعِينُ الرَّجُلَ عَلَى دَابَّتِهِ فَيَحْمِلُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَكُلُّ خُطْوَةٍ يَخْطُوهَا إِلَى الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَيُمِيطُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ۔

(بخاری ومسلم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا انسان کے ہر جوڑ پر ہر روز ایک صدقہ لازم ہے دو شخصوں کے درمیان انصاف کر دے یہ بھی صدقہ ہے کسی شخص کو جانور پر سوار کرنے میں یا اس کا اسباب لادنے میں مدد کر دے یہ بھی صدقہ ہے کوئی اچھی بات (جس سے کسی کا بھلا ہو جائے) یہ بھی صدقہ ہے جو قدم نماز کی طرف اٹھائے وہ بھی صدقہ ہے۔ کوئی تکلیف کی چیز راستے سے ہٹا دے یہ بھی صدقہ ہے"۔ (بخاری و مسلم)

ہر جوڑ پر روزانہ صدقہ واجب ہوتا ہے:

اس حدیث میں یہ بتلایا گیا کہ انسان کے ہر جوڑ پر روزانہ ایک صدقہ واجب ہوتا ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ گذشتہ حدیث میں صدقہ کی ادائیگی کے مختلف طریقے بیان کئے گئے تھے۔ مثلاً یہ کہ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے وغیرہ۔ یہاں پر صدقہ کی ادائیگی کے کچھ اور طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔

دو آدمیوں میں انصاف کرنا صدقہ ہے:

پہلا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان اگر کوئی نزاع ہے اور آپ نے ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا تو یہ بھی صدقہ ہے۔

سوار ہونے میں مدد کرنا صدقہ ہے:

دوسرا طریقہ یہ بتایا گیا کہ اگر کسی شخص کے ساتھ اس کی سواری پر سوار ہونے میں مدد کر دی جائے تو یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ اس کے مختلف طریقے ہیں،

کوئی بوڑھا شخص ہے تو اس کے لئے سہارا بن جائے، کسی کا ہاتھ پکڑ لیا یا اس کا سامان اٹھوا کر گاڑی میں رکھوا دیا یا وہ خود اٹھا رہا ہے تو اس کی مدد کر دے وغیرہ وغیرہ یہ ساری صورتیں اس میں شامل ہیں۔ پہلے زمانے میں سواری کے جانور ہوتے تھے جب کہ آج کل عام طور پر گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں تو گاڑی پر سوار ہونے میں مدد کرنے کی جو جو صورتیں ہیں، وہ سب بھی اس میں داخل ہیں۔

مدد کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جس کی مدد کی جا رہی ہے وہ شخص بوڑھا یا ناتواں ہو بلکہ ہر ایک کی مدد کی جا سکتی ہے۔

اور یہ ایک ایسا عمل ہے کہ آدمی روزانہ اس پر عمل کر سکتا ہے۔ اگر آپ ایئرپورٹ پر جائیں تو وہاں بہت سے لوگ ملیں گے جنہیں مدد کی ضرورت ہوگی، اسی طرح ریلوے اسٹیشن، بسوں کے اڈے، بس اسٹاپ وغیرہ پر جا کر دیکھیں۔ وہاں پر خدمت کرنے کے کیا کیا مواقع ہیں اور یہ سارے مواقع اسی صورت میں داخل ہیں۔

کسی سے اچھی بات کر لینا صدقہ ہے:

تیسرا طریقہ یہ بیان کیا گیا کہ کسی سے اچھی بات کر لینا بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات کسی بھی قسم کی ہو وہ اس میں داخل ہے۔ دین کی کوئی بات کی، اچھے کام کی تلقین کی، گناہ سے بچنے کی بات کر دی، ایسا کوئی جملہ بول دیا جس سے وہ خوش ہو جائے، دعا کا کوئی کلمہ کہہ دیا، مہمان کے آنے پر ایسا جملہ کہہ دیا جس سے اس کا دل خوش ہو جائے مثلاً عربوں میں یہ رواج ہے کہ جب مہمان آتا ہے تو اسے اهلاً و سهلاً کہتے ہیں، ہمارے ہاں خوش آمدید کہنے کا رواج ہے یا یوں کہا جاتا ہے کہ آپ کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی وغیرہ وغیرہ یہ ساری صورتیں اسی میں داخل ہیں اور ان پر صدقہ کا ثواب ہے۔

مسجد کی طرف اٹھنے والے ہر قدم پر صدقہ کا ثواب:

چوتھی صورت یہ بیان کی گئی کہ نماز پر جاتے ہوئے ہر قدم پر ایک صدقہ کا ثواب ہے۔ ایک شخص مسجد جا رہا ہے تو گھر سے لے کر مسجد جانے تک وہ جتنے قدم اٹھائے گا، ہر قدم پر ایک صدقے کا ثواب ملے گا۔ مسجد کی طرف جانے کی اور فضیلتیں بھی احادیث میں مروی ہیں۔

مسجد کی طرف جانے کے دیگر فضائل

چنانچہ ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

﴿من غدا الی المسجد أوراح اعد اللّٰہ لہٗ فی الجنۃ نزلاً کلما غدا أوراح﴾ (متفق علیہ)

"جو شخص صبح کو یا شام کے وقت مسجد میں جائے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمانی کا سامان تیار کر دیتے ہیں"

یہ کتنی عظیم الشان فضیلت ہے، آدمی جتنی مرتبہ بھی نماز کے لئے جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مہمانداری کا سامان ہوتا ہے۔ وہ سامان کتنا عظیم الشان ہوگا! دنیا کی ساری نعمتیں جنت کی چھوٹی سے چھوٹی نعمت کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اعددت لعبادی الصالحین مالاعین رأت ولا أذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر﴾

(اخرجہ احمد والستۃ سوی النسائی وابوداؤد)

"میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جو
کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے سنی نہیں اور کسی دل پر ان
کا خیال تک نہیں گزرا"

یہ ساری نعمتیں مسجد میں جانے والے آدمی کے لئے تیار کی جاتی ہیں۔ تو گویا مسجد میں جانے کے بدلے میں ہر قدم پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور وہاں جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی کا سامان تیار کیا جاتا ہے۔ یہ سامان جنت میں ہمارے لئے ذخیرہ ہو رہا ہے۔ جب ہم وہاں پہنچیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں یہ سامان ملنے والا ہے۔

راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے:

پانچویں صورت یہ بیان کی گئی کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے، مثلاً راستہ میں کوئی کانٹا، شاخ، اینٹ، پتھر، لوہا، میخ وغیرہ پڑی ہے تو اگر کسی نے راستہ سے اُسے ہٹا دیا تو یہ بھی صدقہ کرنے میں داخل ہے۔

یہ تمام طریقے صدقہ میں داخل ہیں۔ اس حدیث اور گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ صرف پیسوں سے نہیں ہوتا بلکہ صدقہ زبان سے بھی ہوتا ہے، ہاتھ سے بھی ہوتا ہے، عمل سے بھی ہوتا ہے اور وہ اعمال بھی بہت آسان آسان ہیں، جن کی وجہ سے صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

ایک اور حدیث:

اسی طرح کی ایک اور حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہر انسان تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے (یعنی ہر انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں) پس جس شخص نے اللہ اکبر کہا یا الحمد للہ کہا یا لا الہ الا اللہ کہا یا سبحان اللہ کہا یا استغفر اللہ کہا یا راستہ سے کوئی پتھر، کانٹا یا کوئی ہڈی ہٹادی یا کسی کو نیک کام کی تلقین کر دی یا کسی سے گناہ سے رکنے کی بات کر دی تو اس دن وہ شام اس حال میں کرے گا کہ وہ اپنے آپ کو آگ سے بچا ہوا پائے گا" (صحیح مسلم رقم: ۲۰۰۷، ج ۷ ص ۱۹۸)

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ یہ اعمال بہت آسان ہیں، ان پر نہ کوئی رقم خرچ ہوتی ہے اور نہ کچھ محنت خرچ ہوتی ہے۔ صرف ان کی عادت ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اپنے روزمرہ کے اعمال میں ان کی عادت ڈال لیں تو ہمارے اعمال نامہ میں کسی محنت کے بغیر نیکیاں ہی نیکیاں جمع ہوتی رہیں گی۔ اللہ رب العزت ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)
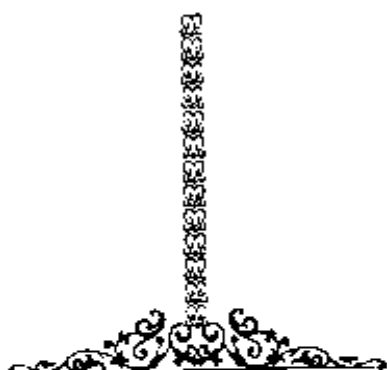
وآخر دعوانا أن الحمدللہ رب العالمین

فضول خرچی اور اُسکے خطرناک نتائج
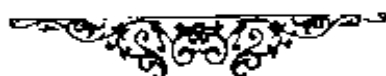
بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿فضول خرچی اور اس کے خطرناک نتائج﴾

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ۔

اما بعد!

﴿ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴾

یہ سورۂ اعراف کی ایک آیت کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے

فرمایا کہ تم کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ جب کہ اسی کے دوسرے حصہ میں فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

ترجمہ سے یہ بات تو واضح ہو چکی ہے کہ اسراف فضول خرچی کو کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے جس طرح ہماری جسمانی نشوونما اور صحت کو تندرست اور توانا رکھنے کے لئے ہمیں کھانے پینے کا حکم دیا ہے اسی طرح باری تعالیٰ نے ہماری روحانی نشوونما اور صحت کے فائدے کے لئے ہمیں فضول خرچی سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ تو یہ حکم اس آیت سے واضح ہے کہ فضول خرچی حرام اور ناجائز ہے۔

مالِ مفت دلِ بے رحم

ہمارے معاشرے میں دیگر طرح طرح کی بیماریوں میں سے ایک سنگین مرض فضول خرچی کا ہے جس میں اکثر حضرات ملوث ہیں۔ کھانا پینا تو ماشاء اللہ خوب چلتا ہے لیکن اسراف کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ خاص طور پر دعوتوں کے مواقع پر ایسے مناظر کثرت سے دیکھنے میں آتے ہیں جن میں بے انتہا فضول خرچی اور رزق کی بے قدری کی جاتی ہے۔ اول تو اہتمام کرنے والے حضرات فضول خرچی کرتے ہیں جو سراسر ناجائز ہے۔ پھر باقی کسر کھانے والے حضرات پوری کر دیتے ہیں۔ پلیٹوں میں چاول یا سالن وغیرہ خوب بھر کر ڈال لیتے ہیں۔ اب کھایا نہیں جاتا تو بہت سارے چاول اور سالن پلیٹ میں چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مالِ مفت دلِ بے رحم۔ حالانکہ درست طریقہ یہ ہے کہ پہلے تھوڑا سا نکال کر کھالیا جائے پھر اور نکال کر کھائیں۔ اس طرح فضول خرچی اور رزق کی ناقدری نہ ہوگی۔ مگر افسوس کہ دعوتوں وغیرہ میں پلیٹ میں کھانا بچانا آج کل ایک فیشن بن گیا ہے۔

فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں

قرآن پاک میں ایک اور جگہ فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا ہے۔

﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾

"بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں"۔

(سورۃ الاسراء، آیت ۲۷)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فضول خرچی اور اسراف کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ فضول خرچی کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور شیطان خوش ہوتا ہے۔

مطلقاً فضول خرچی حرام ہے

قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے فضول خرچی کو کسی شے کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ مال میں فضول خرچی ناجائز ہے۔ کھانے پینے وغیرہ کو ذکر نہیں فرمایا بلکہ مطلقاً فرمادیا کہ تم اسراف نہ کرو تو اب اس اسراف کے تحت ہر چیز میں فضول خرچی اور اسراف کرنا ناجائز ہوگیا۔ چاہے وہ وقت کے ضیاع کی صورت میں ہو، جسمانی توانائی کے بے جا خرچ کی صورت میں ہو یا زبان کو بے مقصد باتوں میں استعمال کرنے سے ہو۔

وقت کی قدر کرنا بہت اہم ہے آج کل عموماً لوگوں کو اس کا احساس نہیں رہا،

خاص طور پر چھٹی وغیرہ کے مواقع پر وقت زیادہ جان کر بے جا خرچ کرتے ہیں۔ خیال بھی نہیں رہتا کہ یہ ناجائز کام کر رہا ہوں، لہٰذا سوچ سمجھ کر اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ دینی کاموں میں خرچ کریں، کیونکہ آخرت میں اس وقت کا بھی حساب ہوگا۔ اسی طرح جسمانی توانائی کو جائز کاموں یا اللہ کے دین اور اس کی مخلوق کے فائدے میں استعمال کیا جائے گا تو نفع ہی نفع ہے ورنہ ناجائز اور گناہ کا کام ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی سنتیں

حضور پاک ﷺ نے امت کو معمولی سے معمولی کام کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ آپ ﷺ نے وقت کی قدر کرنے کی اہمیت دلائی اور توانائی کو بہتر کاموں میں خرچ کرنے کے طریقے بتائے۔ اسی طرح کھانے کے بارے میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ مومن کو چاہئے کہ کھانے سے پہلے تصور میں اپنے پیٹ کے تین حصے کرلے (۱) ایک کھانے کے لئے (۲) دوسرا پانی کے لئے (۳) تیسرا سانس کے لئے۔ اسی طرح بسم اللہ پڑھ کر کھانا بھی سنت ہے۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا اور پلیٹ کو انگلیوں سے صاف کرنے کے بعد چاٹ لینا بھی سنت ہے تاکہ رزق کی بے قدری نہ ہو اور شاید کھانے کے اسی حصے میں برکت ہو جسے پلیٹ یا انگلیوں میں لگا رہنے دیا گیا اور پانی میں بہا دیا گیا۔

کھاتے ہوئے سنتوں کا اہتمام کریں

اب ہماری حالت یہ ہے کہ یہ سنتیں الا ماشاء اللہ کم لوگ ہی پوری کرتے ہوں گے۔ وہ خاص طور پر سانس کے لئے تو کوئی حصہ نہیں چھوڑتے، اس میں بھی کھانا بھر لیتے ہیں، اور رزق کی بے قدری کرتے ہیں پھر اگر پیٹ پھول جائے اور

ہاضمہ خراب ہو جائے تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور گلہ کرتے ہیں۔ حالانکہ اصل بیماری ترک سنت کی وجہ سے آئی۔ اور رزق کی ناقدری کی وجہ سے شاید برکت والا حصہ اس کے پیٹ میں نہ گیا ہو۔ اور پانی میں بہا دیا گیا ہو۔ اس لئے تکلیف ہوگئی ہو لہٰذا ہمیں ان سنتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

زبان کی فضول خرچی

اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں ایک بہت عجیب وغریب آلہ زبان کی صورت میں رکھا ہے کہ انسان اس پر جتنا غور کرتا جائے اس کی کارکردگی پر مزید حیران ہوجاتا ہے۔ ذہن میں جو بھی کوئی بات آئی وہ زبان سے ادا ہوگئی۔ جو توروں میں بھی زبان ہوتی ہے مگر وہ بول نہیں سکتے۔ اب انسان کو اللہ نے اتنی عظیم نعمت دی ہے تو یہ اس کی قدر کرنے کی بجائے اس کو بیہودہ اور لغو باتوں میں مشغول رکھے تو اس سے بڑا بیوقوف اور ناقدرا کون ہوگا؟ اس کے ساتھ ساتھ فضول وقت بھی خرچ ہوگا اور توانائی بھی۔ تو گویا زبان کو فضول خرچ کرنے سے انسان کتنے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿من صمت نجا﴾

”جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا“

(احمد ترمذی)

ایک اور حدیث مبارک میں ارشاد ہے۔

﴿املاء الخیر خیر من السکوت والسکوت خیر من املاء الشر﴾ (بیہقی)

”اچھی بات کہنا بتانا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموشی

رہنا بری بات بتانے سے بہتر ہے۔“

لہٰذا ہمیں زبان کی حفاظت کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کیونکہ ہر منہ سے نکلی ہوئی ہر ہر بات کا حساب ہوگا۔ زبان کو زیادہ سے زیادہ اچھی باتوں میں استعمال کریں۔

پانی میں اسراف

ایک اور بری عادت جو آج کل لوگوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے وہ پانی میں فضول خرچی کرنا ہے۔ وضو کے اوقات میں اس سے خصوصاً لاپرواہی برتی جاتی ہے کہ مسواک کرتے ہوئے بھی ٹونٹی کھلی ہے۔ اسی طرح اعضاء دھو کر رہے ہیں اور پانی کھلا ہوا ہے۔ یہ طریقہ صحیح نہیں، کیونکہ اس سے پانی جیسی عظیم نعمت ضائع ہوتی ہے اس لئے ایسے مواقع پر ٹونٹی فوراً بند کر دینی چاہئے۔ ویسے بھی اعضاء کو زیادہ سے زیادہ تین دفعہ دھونا سنت ہے۔ اس سے زیادہ سنت نہیں ہے۔ پانی اگر زیادہ مقدار میں بھی ہو تب بھی اس کی فضول خرچی ناجائز ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی کو وضو میں آپ ﷺ نے زیادہ پانی خرچ کرنے پر تنبیہ فرمائی تو صحابی نے عرض کیا کہ پانی وافر مقدار میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ پانی کے ہونے پر بھی اس کی ناقدری کرنا درست نہیں۔ اگرچہ تم دریا کے کنارے کھڑے ہو۔

بجلی میں اسراف

اسی طرح آج کل بجلی ضائع کرنے کی بھی ایک عادت بہت عام ہے۔ لوگ بعض اوقات بلاوجہ اور بغیر ضرورت کے بجلی جلائے رکھتے ہیں۔ بجلی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جسے ضائع کرنا نعمت کی ناشکری ہے۔ اس کو دیکھ بھال کر

استعمال کرنا چاہئے۔

پیسوں میں اسراف

اسی طرح بہت سے لوگ دوسروں کو دکھانے کی خاطر اپنے مال اور پیسوں میں اسراف کرتے ہیں۔ جس سے نہ صرف فضول خرچی کا گناہ ہوتا ہے بلکہ ریا کاری کا بھی گناہ ہوتا ہے۔ یاد رکھیں یہ سب ناجائز ہے۔

فضول خرچی نے ہم سے آزادی چھین لی

اب آیئے ذرا اپنا جائزہ لیتے ہیں۔ وہ ملک جس کو ہم نے اتنی قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا۔ اس کی آج فضول خرچیوں کی وجہ سے یہ حالت ہے کہ ہم غلام بن چکے ہیں۔ یہ آزادی صرف نام کی آزادی ہے، اسی وجہ سے ہم سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ کشمیر کو بھول جائیں، اس کو بھارت کا حصہ قرار دے دیں، کیونکہ اب ہم اپنی فضول خرچیوں کی وجہ سے امریکہ، آئی ایم ایف اور دیگر ممالک کے مقروض ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اخبارات میں خوشخبری کے طور پر یہ خبر دی جاتی ہے کہ آج اتنے ڈالر کے قرضے کی منظوری ہوگئی، ہمارا اس طرف خیال نہیں جاتا کہ منظوریاں تو کرا رہے ہیں مگر ان کوادا کون کرے گا؟ پاکستان کا بچہ بچہ اور اس کی آئندہ نسل بھی اسی طرح مقروض رہے گی۔ پھر اس قرضے پر سود الگ لگتا ہے جو کہ اسلام میں قطعی حرام ہے۔

اب اگر آئی ایم ایف کی طرف سے تنگی ہوجاتی ہے تو کسی دوسرے ملک سے وقتی طور پر مانگ کر قسط ادا کردیتے ہیں مگر وہ بھی صرف سود کی رقم ہوتی ہے اور

ساتھ ہی اس دوسرے ملک کے بھی مقروض ہو جاتے ہیں۔

فضول خرچی برائیوں کی جڑ ہے

ایک وقت وہ تھا جب پاکستان نے اتنی تیزی سے ترقی کی کہ ہندوستانی حیران تھے کہ یہ لٹی پٹی قوم جس کو ہم نے کسی قابل نہ چھوڑا تھا کس طرح ترقی کر رہی ہے۔ وجہ یہی تھی کہ ہم نے اس وقت فضول خرچی کی بجائے کفایت شعاری اختیار کی تھی۔ لیکن جب حکمرانوں نے خاص طور پر فضول خرچی شروع کی تو آج یہ وقت بھی آ گیا کہ ملک کے خزانے ان کے لئے ناکافی ثابت ہوئے۔ آج کل جو حالات پیش آ رہے ہیں ان کی وجہ دیکھیں تو جڑ فضول خرچی ہی نظر آئے گی۔ یہ فضول خرچی صرف حکمرانوں میں ہی نہیں عوام میں بھی ہے۔ لہذا ہمیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی اس برائی پر قابو پانا چاہئے ورنہ وہ کل دور نہیں کہ یہ فضول خرچی آخرت تو اکارت کرے ہی گی دنیا کو بھی برباد کی کا نمونہ بنا دے گی۔

ماں باپ کی طرف سے تربیت میں کمی

اس فضول خرچی میں ماں باپ کی تربیت کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ عموماً آج کل والدین بچوں کو زیادہ پیسے دیتے ہیں جو کہ سراسر زیادتی ہے کیونکہ ناسمجھ بچے کو ان کے مصرف کا علم تو ہوتا نہیں وہ ان کو یونہی فضول چیزیں کھانے پینے میں خرچ کر دیتا ہے۔ پھر بچپن سے ہی جیسی عادت پڑتی ہے بڑے ہو کر وہی پختہ ہو جاتی ہے والدین کو چاہئے کہ نابالغ اولاد کی ضرورتوں کو زیادہ سے زیادہ خود پورا کرنے کی کوشش کریں اور ان کے ہاتھ میں کبھی زیادہ پیسے نہ دیں اس سے عادت بگڑتی ہے۔ اسی طرح چھوٹی چھوٹی اور ضروری باتوں پر والدین توجہ نہیں کرتے اور بچہ سمجھ کر چھوڑ دیتے

سکون آیا ہوگا؟

ابتداء معمولی انتہا سنگین

ماں باپ چھوٹی باتوں کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں یاد رکھیں کہ ابتداء غلطی نہایت معمولی ہوتی ہے مگر اس کی انتہا نہایت سنگین ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں ابتداء صرف ایک روپے سے ہوئی اور انتہا سزائے موت پر ہوئی، تو خاص طور پر معمولی غلطیوں پر بھی سمجھانا چاہئے معمولی غلطیاں ہی بڑی غلطیوں کا سبب بنتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان غلطیوں سے خود بچنے اور دوسروں کو بھی بچانے کی توفیق عطاء فرمائے اور فضول خرچی و اسراف جیسی مہلک بیماریوں سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ ﴿آمین﴾

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

دوسری نظریہ

مضمون: دو قومی نظریہ جس پر پاکستان بنا

بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

باہتمام: محمد ناظم اشرف

مقام: [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿دوقومی نظریہ﴾

بعد از خطبہ مسنونہ! اما بعد:

بھارت کی سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی نے سقوط مشرقی پاکستان کا خونی ڈرامہ رچانے کے بعد کہا تھا کہ "ہم نے دوقومی نظریہ کو (جس پر پاکستان بنا ہے) خلیج بنگال میں ڈبو دیا ہے"۔ اور بعض نجی مجلسوں میں یہ بھی کہا تھا کہ "اب ہمارا اگلا نشانہ سندھ ہوگا"۔ دوقومی، یا دوملی نظریہ صرف پاکستان کا نہیں، بلکہ قرآن وسنت کا نظریہ ہے اور اسلامی سیاست کا ایک اہم اصول ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت، قرآن کریم کا واضح اعلان ہے کہ

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُم مُّؤْمِنٌ﴾

"اللہ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا (جس کا تقاضا تھا کہ تم سب ایمان رکھتے اور سب مومن ہوتے لیکن) پھر تم میں سے بعض کافر ہوگئے اور بعض مومن رہے" (سورۃ تغابن ۲)

اس آیت کے لفظ "فمنکم" میں جو حرف فا ہے، اردو میں اس کا ترجمہ "پس" یا

"کفر" کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی تخلیق وآفرینش کے ابتدائی دور میں کوئی انسان کافر نہیں تھا۔ یہ کافر اور مومن کی تقسیم بعد میں کچھ لوگوں کے کافر ہوجانے سے وجود میں آئی۔ ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔

﴿ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُہَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ ﴾

"ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے (جس کا تقاضا مومن ہوتا ہے) پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی وغیرہ بنادیتے ہیں۔" (تفسیر معارف القرآن ص ۴۳۳ ج ۸ بحوالہ قرطبی)

دنیا بھر کے مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت:

بہرحال اوپر سورۃ تغابن کی جو آیت ذکر کی گئی اس میں قرآن حکیم نے تمام بنی آدم کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے" کافر اور مومن" جس کا حاصل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی ساری اولاد جو ایک برادری تھی اور دنیا کے سب انسان اس برادری کے افراد تھے اس برادری کو توڑنے اور الگ الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے، جو لوگ کافر ہوگئے وہ انسانی برادری کا رشتہ توڑ کر مومن برادری سے خارج ہوگئے اس لئے مسلمان خواہ کسی ملک اور خطہ کا ہو کسی بھی رنگ اور قبیلہ کا ہو کوئی زبان بولتا ہو، ان سب کو قرآن حکیم نے ایک برادری قرار دیا۔ ارشاد ہے:۔

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ﴾

"مسلمان تو سب (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں"۔

(سورۃ الحجرات ۱۰)

اور دوسری طرف اسلام نے قیامت تک کے لئے یہ قانون بنا دیا کہ مسلمان اور کافر اگرچہ آپس میں باپ بیٹے یا حقیقی بھائی ہوں تب بھی وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿لا یرث المسلم الکافر ولا یرث الکافر المسلم﴾

"مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا" (صحیح مسلم حدیث نمبر ۳۰۱۸)

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

﴿لا یتوارث اهل ملتین شتی﴾

"دو مختلف ملتوں (دین) والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے" (سنن ابی داؤد۔ حدیث ۲۹۱۱)

اس طرح قرآن وسنت نے دنیا کے تمام انسانوں کو دو الگ الگ ملتوں میں تقسیم کر کے فیصلہ کر دیا کہ مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تمام کفار سے برسر پیکار رہا جائے اور ان کے کوئی حقوق تسلیم نہ کئے جائیں۔ اس کے برعکس اسلام نے اپنی عالمگیر رحمت کے سایہ میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات اور برتاؤ کے سلسلے میں جو تفصیلی ہدایات دی ہیں، ان میں ان کے ساتھ حسن سلوک، انصاف، ہمدردی، خیر خواہی، مدارات، و رواداری کی غیر معمولی ہدایات بھی اہمیت کے ساتھ شامل ہیں البتہ ان کی حدود اعلیٰ درجے کے اعتدال وتوازن کے ساتھ مقرر کر دی گئی ہیں۔

﴿غیر مسلموں سے تعلقات کی حدود﴾

اس سلسلے میں اسلامی ہدایات اور ضوابط کا ایک مختصر خاکہ یہ ہے۔

ان کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنا فرض ہے:

اسلام نے ہمیں کفار کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ ہر حال میں ہمارا مقدس فریضہ ہے، اگرچہ وہ ہم سے برسرِ پیکار ہوں، بلکہ اسلام میں تو عدل وانصاف جانوروں کے ساتھ بھی واجب ہے کہ ان کی طاقت سے زیادہ بار ان پر نہ ڈالا جائے اور ان کے چارے اور آرام کا مناسب انتظام کیا جائے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾۔

"اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کو، اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ کو تمہارے ہر عمل کی پوری خبر ہے۔

(سورۃ المائدہ: ۸)

صلح کر لینا بھی جائز ہے:

اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو تو ان سے صلح (ترکِ جنگ) کا

معاہدہ کرنے کی بھی اجازت ہے۔ قرآن حکیم میں کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ط إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ کو بھی (اجازت ہے کہ اگر اس میں مصلحت دیکھیں تو) اس طرف جھک جایئے اور (اگر باوجود مصلحت کے یہ احتمال ہو کہ یہ ان کی چال ہو تو) اللہ پر بھروسہ رکھئے (ایسے احتمالوں سے اندیشہ نہ کیجئے) بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے (ان کے اقوال اور احوال کو سنتا جانتا ہے ان کا خود انتظام کر دے گا)

(معارف القرآن صفحہ ۲۷۲ ج ۴) (سورۃ الانفال۔ ۶)

دوطرفہ تعاون کا معاہدہ بھی ایک حد تک جائز ہے:

بعض شرائط کے ساتھ ان سے ایک حد تک دوطرفہ تعاون کا معاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے جواہر الفقہ ص ۲۰۳ ج ۲ تا ۲۰۶ جلد ۲)

تجارتی معاملات کی بھی گنجائش ہے:

حسب ضرورت و مصلحت ان سے خرید و فروخت اور تجارتی معاملات کرنے کی بھی اجازت ہے۔ لیکن بلا ضرورت مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار و مشرکین کے ساتھ معاملات اور تجارت نہ کی جائے۔

(جواہر الفقہ ص ۱۸۳ ج ۱۸۹ ص ۱۸۸ ج ص ۱۹۰)

ہمارے ملک کے غیر مسلموں کے حقوق ہمارے فرائض ہیں

جو غیر مسلم ہمارے ملک میں ہماری اجازت سے داخل ہوں (مثلاً ویزا وغیرہ لے کر) یا ہمارے ملک کے باشندے اور ہمارے قانون کے پابند ہوں، ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت اور ان کی عبادات میں عدم مزاحمت بھی ہماری ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

﴿ألا من ظلم معاهدا أو انتقصه أو كلفه فوق طاقته أو أخذ منه شيئا بغير طيب نفس منه فأنا حجيجه يوم القيامة﴾ (ابوداؤد حدیث ۳۰۵۲)

خبردار! جو شخص کسی معاہد (یعنی ایسے کافر جو اسلامی مملکت کے ماتحت رہتے ہیں یا باہر سے ویزا لے کر آتے ہیں) پر ظلم کریگا یا اس کے حقوق میں کمی کریگا یا اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے گا یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر (زبردستی) لیگا تو میں قیامت کے دن اس کے خلاف فیصلہ کن فریق بنوں گا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

﴿إن الله تعالى لم يحل لكم أن تدخلوا بيوت أهل الكتاب إلا بإذن ولا ضرب نسائهم ولا أكل ثمارهم﴾ (ابوداؤد حدیث ۳۰۵۰)

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے، ان کی عورتوں کو مارنے پیٹنے اور ان کے

پھل (بلا اجازت) کھانے کو حلال نہیں فرمایا"۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ اٰذٰی ذِمِّیًّا فَاَنَا خَصْمُهٗ وَمَنْ کُنْتُ خَصْمَهٗ خَصَمْتُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ﴾

جس شخص نے کسی ذمی کو ستایا تو قیامت کے روز اس کی طرف سے میں دعوے دار ہوں گا، اور جس مقدمہ میں میں دعوے دار ہوں تو میں ہی غالب رہوں گا۔

(تفسیر معارف القرآن ص ۵۸ اج ۲)

ان کے ساتھ احسان کرنا مستحب ہے:

جو غیر مسلم ہم سے برسر پیکار اور ہمارے درپے آزار نہ ہوں اور ہمارے دینی مقاصد میں حائل نہ ہوں ان کے ساتھ ہمیں رواداری، ہمدردی، خیر خواہی اور احسان کرنے کی بھی اجازت ہے۔ بلکہ قرآن وسنت میں اس کی تلقین وتاکید کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ ط﴾

"اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا"۔ (سورۃ ممتحنہ۔ ۸)

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کی والدہ بحالت کفر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچیں۔ (مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کفار مکہ سے صلح حدیبیہ ہو چکی تھی، ان خاتون کا نام "قتیلہ ہے") تو حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری والدہ مجھ سے ملنے کے لئے آئی ہیں، اور وہ کافر ہیں میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرو، یعنی ان کیساتھ اچھا سلوک کرو، اس پر (سورہ ممتحنہ) کی یہ آیات نازل ہوئی جس میں اس قسم کے دوسرے غیر مسلموں کیساتھ بھی حسن سلوک اور احسان کا معاملہ کرنے کا حکم بیان فرمادیا گیا۔

(تفسیر معارف القرآن ص ۴۰۵ ج ۸)

فقہائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ کوئی کافر بیمار ہو تو اس کی مزاج پرسی اور عیادت جائز ہے، اور ان میں سے کوئی مرجائے تو اس کی تعزیت بھی جائز ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ایک پڑوسی یہودی بیمار ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی عیادت فرمائی۔ (ہدایہ ور المختار ص ۳۴۱ ج ۵)

لیکن دوستی جائز نہیں:

یہ سب کچھ ہے لیکن اسلام کی معتدل اور متوازن تعلیمات نے ہمیں اپنے دین وملت کی حفاظت اور ملی تشخص کی خاطر ساتھ ہی یہ ہدایات بھی دی ہیں کہ کسی بھی قسم کے کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ، ایسے میل جول اور ربط وضبط پیدا کرنے کی اجازت نہیں جس سے ان کے ساتھ محبت والفت کا اظہار ہوتا ہو، کیونکہ مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا دعوے دار ہے وہ ان کے دشمنوں کو اپنا دوست کیسے

جا سکتا ہے۔ ایسے تعلقات کو قرآن کریم نے قطعی طور پر حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِیَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِیَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن یَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ (سورۃ مائدہ آیت ۵۱)

"اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو دوست مت بناؤ وہ خود ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں، جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا تو بلاشبہ وہ انہیں میں سے ہوگا"

سورۃ میں آگے ارشاد ہے:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِینَ اتَّخَذُوا دِینَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِینَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِیَاءَ﴾

"اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب (تورات وانجیل) مل چکی ہے جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، ان کو اور دوسرے کافروں کو دوست مت بناؤ"۔

سورۃ ممتحنہ کو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی اس حکم سے فرمایا ہے کہ:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّی وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِیَاءَ﴾

"اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ"۔ (سورۃ ممتحنہ ۱)

غیر مسلموں کو اپنا رازدار اور بھیدی بنانا بھی جائز نہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا﴾

"اے ایمان والو! غیروں کو اپنا رازدار دوست نہ بناؤ، وہ تمہاری خرابی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ (سورۃ آل عمران ۱۱۸)

فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یہاں ایک غیر مسلم نوجوان ہے جو بڑا اچھا کاتب ہے۔ اگر آپ اس کو اپنا میر منشی بنالیں تو بہتر ہے۔ اس پر فاروق اعظم نے فرمایا: "قد اتخذت اذا بطانة من دون المؤمنين" یعنی میں ایسا کروں تو مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسری ملت والے کو رازدار بنالوں گا جو حکم قرآنی کے خلاف ہے۔ (تفسیر معارف القرآن ص ۱۵۹ ج ۲ بحوالہ ابن ابی حاتم) امام قرطبی جو پانچویں صدی میں اسپین (اندلس) کے مشہور مفسر قرآن ہوئے ہیں، بڑی حسرت اور درد کے ساتھ فرماتے ہیں کہ "اس زمانے میں حالات میں ایسا انقلاب آیا کہ یہود و نصاریٰ کو رازدار و امین بنالیا گیا اور اس ذریعے سے وہ جاہل سرمایہ داروں اور حکمرانوں پر مسلط ہوگئے۔ (حوالہ بالا)

وضع قطع اور طرز معاشرت میں ان کے ساتھ ایسی مشابہت اختیار کرنا بھی ممنوع ہے جس سے اسلام کے امتیازی نشانات اور تشخص گم ہوجائیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے

﴿مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ﴾

(سنن ابی داؤد حدیث ۴۰۳)

"جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کرلی وہ اسی قوم میں سے
سمجھا جائے گا"۔

یہ کافر جانتے کفر میں مرگئے ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کو بھی قرآن
حکیم نے ممنوع قرار دیا ہے۔ سورۃ توبہ میں ارشاد ہے۔

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ
وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ
أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾

"نبی (ﷺ) کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین
کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں، اگرچہ وہ رشتہ دار ہی (کیوں
نہ) ہوں اس بات کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ (کفر پر
مرنے کی وجہ سے) دوزخی ہیں"۔ (سورۃ توبہ ۱۱۳)

البتہ زندہ کافروں کے لئے ہدایت واصلاح کی دعا جائز ہے۔ چنانچہ
آنحضرت ﷺ نے غزوۂ احد کے موقع پر مشرکین مکہ کے لئے دعا فرمائی کہ

﴿رَبِّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾

"اے میرے رب میری قوم کو ہدایت عطا فرمادے کیونکہ انہیں
(حقیقت) معلوم نہیں"۔

اللہ کے راستہ میں جہاد:

بلکہ جو کفار مسلمانوں سے برسرِ پیکار یا ان کے درپے آزار ہوں یا اسلام

مسلمانوں کیلئے خطرہ نہیں، ان سے تو نہیں جہاد کا حکم ہے، ایسے کافروں کے بارے میں قرآن حکیم نے ہدایت کی ہے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی تقلید کریں جنہوں نے اپنے ایسے ہی کافر ہم وطنوں اور اہل خاندان سے صاف کہہ دیا تھا کہ:

﴿إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ﴾

"ہم تم سے اور ان (بتوں) سے بیزار ہیں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، ہم تمہارے منکر ہیں، اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ گے ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی"۔ (سورۃ ممتحنہ ۴)

خلاصہ یہ کہ قرآن وسنت نے دنیا کے تمام انسانوں کو "مومن اور کافر" دو ملتوں میں تقسیم کرکے دونوں کے درمیان تعلقات ومعاملات اور جنگ وصلح کی حدود بھی نہایت اعتدال اور توازن کے ساتھ مقرر فرمادی ہیں اور ان کو گڈمڈ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں کافروں سے جتنے جہاد ہوئے وہ اسی دوملی نظریہ پر مبنی تھے، ساری صلیبی جنگیں اسی بنیاد پر لڑی گئیں، انبیاء سابقین کو کافروں سے جتنے معرکے پیش آئے ان سب میں یہی دوملی نظریہ کارفرما تھا۔

نظریہ پاکستان:

پاکستان کا وجود بھی اسی نظریہ کا مرہون منت ہے جو ہندوستان کو تقسیم کرکے محض اس لئے حاصل کیا گیا ہے کہ مسلمان یہاں دوسری قوموں سے آزاد اور خود مختار رہ کر خدا پرستی اور قرآن وسنت کے ہمہ گیر نظام عدل اور معاشی انصاف کی بنیاد پر اسلام کا پاکیزہ فلاحی معاشرہ قائم کرسکیں اور اسے مضبوط ترقی یافتہ اسلامی ریاست بنا سکیں۔ اسے حاصل کرنے کے لئے ہم نے نعرہ لگایا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ، پھر جب ہندو کانگریس نے مسلمانوں کو اپنی اکثریت کے جال میں پھانسنے کے لئے ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' کا نعرہ چلتا کیا تو ہم سب نے مل کر ''مسلم مسلم بھائی بھائی'' کا جوابی نعرہ بلند کیا، جس سے پورا برصغیر گونج اٹھا تھا، یہ صرف جذباتی نعرہ نہ تھا یہ ہمارے عقیدے اور ایمان کی آواز اور ہمارے سیاسی منشور کا عنوان تھا۔ ہم اس دوملی نظریہ کے ترجمان تھے جو ہمیں قرآن وسنت نے عطا کیا ہے، اسی نظریہ کی طاقت پر ہم نے بیک وقت تین طاقتوں انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں سے پنجہ لڑا کر پاکستان حاصل کیا۔

دوملی نظریہ عالمی اتحاد کا پیغام:

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ انسانی برادری کو مختلف سیاسی نظریات نے کہیں رنگ کی بنیاد پر تقسیم کیا۔ جیسا کہ جنوبی افریقہ میں آزادی سے پہلے تھا کہ وہاں جو حقوق گورے کو حاصل تھے کالے آدمی کو حاصل نہیں تھے، کہیں نسل کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا، جیسا کہ اسلام سے پہلے قبائل عرب کا حال تھا اور آج بھی

دنیا کے بعض قبائلی علاقوں میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا نظر آتا ہے، اور کہیں اس برادری کو زبان اور وطن کی بنیاد پر ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا۔ جیسا کہ لسانی اور وطنی قومیت کی بنیاد پر آج پاکستان میں ایک بھائی دوسرے بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ ان سب کے برخلاف اسلام نے بنی نوع انسان کی تقسیم کا مدار "ایمان اور کفر" پر رکھا ہے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صرف یہی ایسی تقسیم ہے جو انسانی برادری کے مکمل اتحاد کا وسیع ترین میدان اور موثر ترین پیغام بھی ساتھ رکھتی ہے، اس لئے کہ "مومن اور کافر" ان دو ملتوں کی بنیاد ایسی دو چیزوں پر ہے جو ہر انسان کے اختیار میں ہیں، کیونکہ ایمان بھی انسان کے اختیار میں ہے اور کفر بھی، اگر کوئی شخص ان میں سے ایک ملت چھوڑ کر دوسری ملت میں شامل ہونا چاہے تو بڑی آسانی سے اپنے عقائد بدل کر دوسری ملت میں شامل ہوسکتا ہے، چنانچہ آخری زمانے میں جب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات کے مطابق وہ دور پھر واپس آجائے گا کہ دنیا کے تمام انسان ایمان لاکر ایک ملت ہوجائیں گے اور انسانی برادری جو کفر کی وجہ سے دو ملتوں میں بٹ گئی تھی اس کا شیرازہ ختم ہوجائے گا۔

(تفسیر معارف القرآن ص ۳۰۳ تا ص ۵۰۳ ج ۲)

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہوجائیگی

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہوجائیگی

وطنی، لسانی اور نسلی قومیت فساد عالم:

برخلاف قبیلہ، خاندان، رنگ و زبان اور ملک و وطن کے کہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ اپنا قبیلہ و خاندان بدل دے۔ زبان اور وطن اگرچہ بدلے جاسکتے ہیں مگر زبان اور وطن کی بنیاد پر بننے والی قومیں دوسروں کو عموماً اپنے اندر جذب کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں اگرچہ ان کی ہی زبان بولنے لگیں اور ان کے وطن میں آباد ہوجائیں۔ غرض ان غیر فطری تقسیموں میں بٹ جانے کے بعد انسانی برادری کے اتحاد اور پائیدار عالمی امن کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا، بلکہ وطن اور نیشنلزم کی بنیاد پر جو تقسیم ہوتی ہے اس کی رو سے تو انسانی برادری پہلے ملکوں کی بنیاد پر تقسیم کی گئی پھر ان کا بٹوارہ صوبوں کی بنیاد پر کیا جانے لگا اور اب تو شہروں اور محلوں کی بنیاد پر بھی تقسیم کا المناک منظر ہمارے سامنے ہے۔

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملت آدم

انسانیت کو ان لامحدود تقسیموں سے بچانے کے لئے قرآن و سنت کی ان صریح ہدایات اور دیگر بہت سی آیات و احادیث نے واضح کردیا کہ پوری دنیا میں گروہ بندی صرف ایمان اور کفر کی بنیاد پر ہوسکتی ہے، رنگ اور زبان، نسب اور قبیلہ، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز اس قابل نہیں کہ اس کی بنیاد پر انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا جائے۔ ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہوجاتے، رنگ و زبان اور ملک و وطن کے اختلاف کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی

رہتے ہیں، ان کو مختلف گروہ قرار دینا عقل وحکمت کی بات نہیں ہو سکتی۔ ہاں کفر وہ بدترین اختلاف ہے اور اپنے خالق ومالک اور پالنے والے کے خلاف اعلان بغاوت ہے جس نے پوری انسانی برادری کو الگ الگ ملتوں میں بانٹ دیا۔

مسلم برادری:

رنگ، زبان اور قبائل کے فرق کو قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی اور انسان کے لئے بعض فوائد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک نعمت تو قرار دیا ہے۔ (سورۃ الروم۔ آیت نمبر ۲۲ وسورۃ الحجرات آیت نمبر ۱۳)

لیکن اس کو بنی آدم میں گروہ بندی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی، اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں قبائل کو گروہ بندی کی بنیاد بنا دیا گیا تھا، اسلام نے ان سب گروہ بندیوں کو توڑ ڈالا۔

کفار مکہ جو آنحضرت ﷺ کے ہم وطن، ہم زبان اور ہم قبیلہ تھے۔ آپ نے اور آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ نے ایمان وکفر ہی کی بنیاد پر ان سے دشمنی مول لی، آبائی وطن سے ہجرت کی اور اپنے رشتہ داروں تک سے بار بار جہاد فرمایا، ان سے الگ ایک "مسلم برادری" قائم فرمائی جس میں انصار مدینہ کو اور حبشی، رومی اور فارسی (ایرانی) مسلمانوں کو بھائی بنا کر گلے سے لگا لیا۔ جس قبیلے اور جس علاقے کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے گئے وہ اس برادری میں شامل ہوتے چلے گئے۔ اسلام نے ان کو سبق ہی یہ دیا تھا کہ:

بتانِ رنگ وبو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

ایک سفر میں دو صحابیوںؓ کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ایک مہاجر تھے دوسرے انصاری، مہاجر نے انصاری کی پشت پر مار دیا تھا۔ انصاری نے اپنی مدد کے لئے انصار کو "یا للانصار" کہہ کر پکارا، اور مہاجر نے مہاجرین کو "یا للمہاجرین" کہہ کر پکارا آپ ﷺ نے یہ آواز سنی تو پوچھا:۔

﴿ مابال دعوی الجاھلیۃ ﴾

"یہ جاہلیت کے الفاظ کیوں پکارے جارہے ہیں؟"

لوگوں نے واقعہ بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔

﴿ دعوھا فانھا منتنۃ ﴾

" ان (متعصبانہ اور گروہ بندیوں کے) الفاظ کو چھوڑ دو، کیونکہ ان میں (جاہلیت اور تفرقے کی) بدبو ہے"

(جامع ترمذی۔ حدیث ۳۳۱۵ تفسیر سورۃ المنافقون ج ۲)

یہی وہ اسلامی برادری اور ایمانی اخوت تھی جس نے تھوڑے ہی عرصے میں مشرق و مغرب، جنوب و شمال، کالے گورے، امیر و غریب اور عرب و عجم کے بے شمار افراد کو ایک لڑی میں پرو دیا اور مسلمان دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن گئے۔

پرانا جال، نیا شکاری:

اس طاقت کا مقابلہ دنیا کی قومیں نہ کرسکیں تو انہوں نے پھر ان بتوں کو زندہ کیا جن کو رسول اللہ ﷺ نے پاش پاش کر ڈالا تھا۔ مسلمانوں کی عظیم ملت واحدہ کو ملک و وطن، رنگ و زبان اور نسب و قبائل کے مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ان کو باہم

ٹکرا دیا۔ اسپین (اندلس) سے مسلمانوں کا تقریباً ایک ہزار سالہ اقتدار اسی آپس کی پھوٹ کی نذر ہوا۔ ترکی خلافتِ عثمانیہ اسی ٹکراؤ کے نتیجہ میں پارہ پارہ ہوئی اور ..... سقوطِ مشرقی پاکستان کے المناک سانحہ کے لئے بھی بھارت نے اسی وطنی اور لسانی قومیت کو آلہ کار بنایا۔ عرب ممالک تو "عربی قومیت" کے فریب سے اس کے تلخ وسنگین تجربات کے بعد کسی حد تک نکل بھی گئے، بنگلہ دیش بھی بنگالی قومیت کی تباہ کاریوں سے نڈھال ہو کر "مسلم ملت" کی طرف واپس آ رہا ہے۔ لیکن پاکستان اور خصوصاً کراچی اور اندرونِ سندھ میں لسانی اور وطنی قومیت کے نئے بت تراش لئے گئے ہیں، جن کی بنیاد پر مسلمانوں کی ملتِ واحدہ کو پھر ٹکڑے ٹکڑے کیا جارہا ہے۔ لسانی اور وطنی عصبیتوں نے ایسا اندھا کردیا ہے کہ مشرقی پاکستان کی طرح اب پھر بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں بڑی دل سوزی سے یہ وصیت فرمائی تھی کہ:

﴿لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا يَّضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ﴾

"میرے بعد تم کافر نہ ہوجانا کہ آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگو۔"

(صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الانصات للعلماء ص ۲۱۷ ج اول مع فتح الباری)

طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ہر خود ساختہ لسانی گروہ اپنے مقتولوں کو شہید کا مقدس خطاب دینے پر مصر ہے۔ حالانکہ رحمۃ للعالمین ﷺ ایسی لڑائی میں مرنے والوں کے بارے میں آگاہ فرما چکے ہیں کہ:

﴿إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَقَتَلَ أَحَدُهُمَا

صَاحِبِهِ فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ﴾

''جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر آپس میں لڑیں اور ان میں سے کوئی دوسرے کو قتل کر ڈالے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے (کیونکہ مقتول کا ارادہ بھی قتل کرنے کا تھا۔)'' (سنن نسائی، حدیث ۴۱۲۳)

اب جن گھناؤنی عصبیتوں کا صور پھونکا جا رہا ہے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہر مسلمان کے کانوں تک پہنچ جانا چاہیے کہ:

﴿لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى الْعَصَبِيَّةِ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ﴾

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے۔ اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بناء پر لڑے اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جس کی موت عصبیت پر آئے۔''

(سنن ابی داؤد، حدیث ۵۱۲۱، کتاب الادب، باب فی العصبیۃ)

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے انہی تعصبات کے بارے میں بڑے درد سے یہ کہا تھا:

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف و کرم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ ملت کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کا شانۂ دینِ نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

ہماری کمزوریاں:

اس شرمناک خانہ جنگی کی پشت پر ہمارے دشمنوں کی سازشیں تو کارفرما ہیں ہی لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ کوئی بیرونی سازش اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اسے ہماری کچھ ایسی کمزوریاں ہاتھ نہ آ جائیں جن کے ذریعہ وہ اپنے مکر و فریب کا تانا بانا بن سکیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہماری سب سے بڑی کمزوری وہ ظلم، بدعنوانیاں اور حق تلفیاں ہیں جن کا موجودہ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام میں بازار گرم ہے، اور جو اس ظالمانہ نظام کی بے دین فضا نے قدم قدم پر پھیلا رکھی ہیں۔ نئی نسل اس صورت حال پر مضطرب ہے اور اس اضطراب کو بنیاد بنا کر بیرونی سازشوں نے ان پر لسانی اور صوبائی عصبیت کا جال پھینکا ہے۔ اگر اسلام کا صرف نام لے کر نہیں، بلکہ اسلام کے نظام معیشت اور نظام عدل کو عملاً نافذ کر کے ان مظالم، بدعنوانیوں اور حق تلفیوں کا خاتمہ کر دیا جائے تو کچھ غدار تو شاید پھر بھی ملک میں باقی رہیں، لیکن ان سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کا راستہ بند ہو جانے کا جو نہ ملک کے دشمن ہیں نہ اسلام کے باغی، بلکہ انہیں مظالم اور حق تلفیوں نے فساد پر آمادہ کیا ہے۔

ہمارا اصل مسئلہ پنجابی پٹھان سندھی یا مہاجر نہیں، ان میں سے کسی طبقے کو علی الاطلاق ظالم اور دوسرے کو علی الاطلاق مظلوم قرار دینا پرلے درجے کی ناانصافی کی بات ہے، یہ منطق دین ودانش کے کسی خانے میں فٹ نہیں ہوسکتی کہ ظلم ہمیشہ دوسرے علاقے کے باشندے کرتے ہیں اور اگر کوئی اپنا ہم وطن یا ہم زبان ظلم کرے تو وہ ظلم نہیں انصاف ہے اور حقوق کی جدوجہد ہے۔

دراصل ہمارا اصل مسئلہ وہ بے دینی اور خدا فراموشی ہے جو ظالم کو بے خوف وخطر ظلم پر آمادہ کرتی ہے، یہی ذہنیت ہے جس نے ہر جگہ مظالم اور حق تلفیوں کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔ یہی ذہنیت دوسروں سے ہر وقت اپنے نام نہاد حقوق کا مطالبہ کرتی رہتی ہے لیکن اسے نہ اپنے فرائض کا کوئی احساس ہے نہ دوسروں کے حقوق کا پاس۔

جب تک یہ بے دینی اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے عاری ذہنیت موجود ہے اگر ہر صوبہ اور ہر علاقہ خدا نہ کرے الگ بھی ہوجائے تب بھی اسے مظالم وحق تلفیوں سے نجات نہیں مل سکتی۔ بنگلہ دیش کا تجربہ ہمارے سامنے ہے۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

"وصلی اللہ علی النبی الکریم

محمد وآلہ واصحابہ اجمعین"
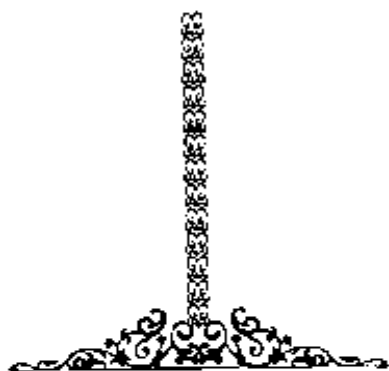
عَقِیدَۂ ختمِ نبوّت اور اُس کا تحفّظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عقیدہ ختم نبوت ﷺ اور اس کا تحفظ﴾

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

صدر محترم! حضرات علماء کرام اور میرے عزیز دوستو اور بھائیو!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اتنی عظیم اور محبوب ہے کہ اس کے ادنیٰ سے ادنیٰ پہلو پر اگر کوئی حملہ کرنے والا شروع کرے تو دین کا کیا نقشہ اور جیسے کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہوتے، اسے گوارا نہیں ہوں گے۔

چودہ سو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی حرف آنے کا شائبہ بھی پیدا ہوا تو لاکھوں فدائی و پروانے اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے میدان میں اتر آئے۔

فتنوں کی بہتات

جس دور سے ہم گزر رہے ہیں یہ فتنوں کا دور ہے، مسلمانوں کے لئے

آزمائشوں اور امتحانوں کا دور ہے میرے مرشد حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے خلیفہ مجاز تھے، فرمایا کرتے تھے کہ یہ فتنے کم نہیں ہوں گے۔ فتنوں کا یہ سیلاب رفتہ رفتہ طوفان بنے گا اور پھر یہ طوفان جا کر قیامت سے ٹکرائے گا۔ بس خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنی توانائیاں اس سیلاب کی روک تھام کے لئے صرف کرتے رہیں گے۔ اور ثواب کماتے رہیں گے۔

لہذا یہ سیلاب رکے گا تو نہیں، ایک فتنہ ختم نہیں ہوگا کہ دوسرا آ جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قرب قیامت میں جو فتنے آئیں گے ان کا حال یہ ہوگا کہ "یرقق بعضها بعضا" یعنی جو فتنہ آئے گا لوگ سمجھیں گے کہ یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ ابھی یہ ختم نہیں ہونے پائے گا کہ دوسرا اس سے بڑا فتنہ آ جائے گا اور وہ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے سامنے پہلا فتنہ چھوٹا معلوم ہونے لگے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ فتنے اس طرح آئیں گے جیسے سمندر کی موجیں ہوتی ہیں، ایک موج آتی ہے وہ ابھی ختم نہیں ہونے پاتی کہ اس سے بڑی موج آ کر اس کو چھپا دیتی ہے، اور جس طرح سمندر کی موجیں ہر طرف سے آتی ہیں یہ فتنے بھی ہر طرف سے آئیں گے، اور جیسے سمندر کی موجیں طرح طرح کی ہوتی ہیں یہ فتنے بھی طرح طرح کے ہوں گے، یہ فتنوں کا دور ہے اور اللہ رب العالمین کی پناہ مانگنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ ہمارے پاس صرف دو ہی چیزیں ہیں (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان (۲) ان تعلیمات پر اللہ کی پناہ اور مدد مانگتے ہوئے عمل کرنے کی بھرپور جدوجہد۔

قادیانی فتنے کی سرکوبی

میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے

اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ قادیانیت کے رد اور اس کے تعاقب میں خرچ کیا۔ وہ فرماتے تھے کہ جب یہ قادیانی فتنہ بڑھنے لگا تو میں اپنے استاذ محترم حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ ملاقات طویل مدت کے بعد ہوئی تھی، میں نے دیکھا کہ حضرت کے چہرے پر کمزوری اور حزن وملال کے آثار ہیں، میں نے خیریت دریافت کی تو فرمایا۔ خیریت کیا پوچھتے ہو زندگی برباد ہوگئی۔ خیال فرمایئے کون کہہ رہا ہے کہ عمر برباد ہوگئی؟ وہ جس نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دین کی حفاظت اس کی نشر واشاعت، اسلامی علوم کے درس وتدریس اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی خصوصی تحقیق میں صرف کیا تھا، اور جس کے ہزاروں شاگرد ہیں، آج ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں جو کوئی عالم دین موجود ہے، کو براہ راست ان کا شاگرد نہ ہو کیونکہ اب غالباً ان کا کوئی شاگرد زندہ نہیں ہے۔ لیکن ان کے شاگردوں کا شاگرد ہے، یا شاگردوں کے شاگردوں کا شاگرد ہے، اس مجمع میں بھی جو علماء کرام موجود ہیں، بلا استثناء کوئی ان کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا، یا شاگردوں کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا۔

اتنا کام اللہ رب العالمین نے حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ سے لیا، وہ کہتے ہیں کہ "میری عمر برباد ہوگئی، جس کے شاگرد مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور علامہ بنوریؒ جیسے علماء وقت ہوں، جس کے شاگرد مولانا بدر عالمؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ جیسے محدثین ہوں، مولانا قاری محمد طیبؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ جیسے محققین ہوں وہ یوں کہہ رہا ہے کہ میری عمر برباد ہوگئی!

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا حضرت کیا بات ہوئی؟ فرمایا عمر برباد ہوگئی، ہم مدرسوں میں معتزلہ کے مذاہب پڑھاتے رہے ان کا رد کرتے رہے، خوارج، کرامیہ، مرجیہ، جہمیہ کے مذاہب پڑھاتے اور ان کا رد کرتے رہے اور

ہیں؟ کن پابندیوں اور احتیاطوں کے ساتھ کسی کو کافر کہا جا سکتا ہے؟ اور اسے کافر کہنا واجب ہو جاتا ہے۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اسلام کی تمام تعلیمات کو مانتا ہو لیکن اگر کوئی ایک بات جس کا ثبوت قرآن کریم سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ سے صراحۃً ہوا ہو، اس کی حقانیت سے منکر ہو جائے تو وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ایسی تعلیمات میں سے کسی ایک بات کو حق ماننے سے انکار کر دیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو العیاذ باللہ جھوٹا کہہ دیا اور رسول کو جھوٹا کہنے والا کیسے مسلمان ہو سکتا ہے؟ یہ قادیانی سب چیزیں مانتے ہیں لیکن ختم نبوت کے جو معنی قرآن کریم اور سنت متواترہ نے مقرر اور متعین کر دیئے ہیں اس کا انکار کرتے ہیں۔

میرے والد ماجدؒ کی ایک کتاب جس کا نام "ختم نبوت" ہے اس میں حضرتؒ نے قرآن کریم کی ایک سو دس آیات نقل فرمائی ہیں جن سے پوری طرح واضح اور ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آ سکتا، کسی قسم کا چھوٹا یا بڑا، ظلی یا بروزی، تشریعی یا غیر تشریعی، نہ رسول آ سکتا ہے نہ نبی آ سکتا ہے۔ اور جو شخص ایسا دعویٰ کرے گا وہ بدترین جھوٹ اور کذاب ہوگا۔ اسی طرح اسی کتاب میں دو سو سے زیادہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل فرمائی ہیں اور پھر اجماع امت کو نقل فرمایا ہے اور اکابرین امت کے اقوال نقل کئے ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ جو شخص ختم نبوت کا منکر ہوگا وہ کافر ہوگا۔

خوب یاد رکھئے! کہ جس طریقے سے قرآن کریم کے کسی لفظ کا انکار کفر ہے اگر کوئی شخص یوں کہے کہ پورے قرآن کو مانتا ہوں لیکن "صراط مستقیم" کے اندر جو لفظ "صراط" ہے اس کو نہیں مانتا یا لفظ "مستقیم" کو نہیں مانتا، یا اس کی "ر" کو نہیں یا اس کی "ط" کو نہیں مانتا۔ گویا کسی ایک حرف کا بھی انکار کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔

کیونکہ اس نے قرآن کریم کے ایک جز کا انکار کردیا، تو جس طرح قرآن کریم کے کسی لفظ کا انکار کفر ہے، اسی طرح قرآن کریم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ سے قطعی طور پر ثابت ہونے والے مضمون کے کسی ایک حصہ کا انکار کردینا بھی کفر ہے۔

ختم نبوت کا عقیدہ بھی قرآن کریم کی سو سے زیادہ آیات، اور دو سو سے زیادہ احادیث سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ختم نبوت کا منکر پوری امت کے نزدیک بالاتفاق کافر ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی نمازیں پڑھتا ہو اور کتنے ہی روزے رکھتا ہو، اور اگرچہ زبان سے کلمہ طیبہ بھی پڑھتا ہو۔

مثلاً دیکھئے! قرآن کریم نے کتنے واشگاف انداز میں فرمایا کہ:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾

”کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن یہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں (آپ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں)“

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۴۰)

چنانچہ ہمارے بزرگوں نے قادیان میں جاجا کر قادیانیوں کو للکارا اور ان سے مناظرے کئے اور ہر مرتبہ یا تو انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور اگر کبھی مناظرے کئے تو شکست فاش کھائی۔

پاکستان اور قادیانی

افسوس صد افسوس کہ مملکت خداداد پاکستان بن جانے کے بعد ہماری حکومتوں میں قادیانی داخل ہوگئے۔ پاکستان کی سب سے پہلی حکومت ہی اس میں

سر ظفر اللہ پاکستان کا وزیر خارجہ بنا، ہماری حکومتوں کا فرض تھا کہ وہ کام کرتیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت سنبھالتے ہی کیا تھا۔ خلافت سنبھالتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک کام یہ کیا تھا کہ جتنے نبوت کے جھوٹے دعویدار تھے مسیلمہ کذاب، طلیحہ، سجاح وغیرہ ان کے خلاف صحابہ کرامؓ کے لشکر بھیجے اور جب تک ان فتنوں کا قلع قمع نہیں ہو گیا حضرت ابوبکر صدیقؓ چین سے نہیں بیٹھے، یہ ان کا دینی فریضہ تو تھا ہی، ایمانی فراست کا تقاضا بھی تھا، کیونکہ جب تک اندرونی دشمنوں سے نہ نمٹا جائے، بیرونی دشمنوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا کم از کم اتنی احتیاط تو فوراً کی جاتی کہ قادیانیوں کو اس نئے مسلم ملک میں کلیدی عہدوں پر نہ رکھا جاتا۔

نیز پاکستانی حکومت کا شرعی اور دینی فریضہ تھا کہ وہ پاکستان بن جانے کے بعد کم از کم یہ کام تو کرتی کہ دستوری اور قانونی طور پر فیصلہ کر دیتی کہ جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت ہو وہ کافر ہے، مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کو ماننے والے سب کافر ہیں، قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں، لیکن (حکومت نے) یہ نہیں کیا، اس کے بعد سر ظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ بنائے رکھا، اس وقت کے حالات سے جو لوگ باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ سر ظفر اللہ ہی کی غدارانہ سازش کی وجہ سے اس وقت کشمیر کے مجاہدین جو "بارہ مولا" پر قبضہ کر چکے تھے اور اگلے روز "سری نگر" میں داخل ہونے والے تھے، اپنی جیتی ہوئی جنگ ہار بیٹھے، اور کشمیر کا مسئلہ ایک ناسور بن کر رہ گیا۔

میرے ایک استاذ کا واقعہ

مجھے یاد ہے کہ جب میں دارالعلوم کراچی میں عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا تو ہمارے ایک استاذ حضرت مولانا امیر الزماں کشمیری صاحب تھے، جن کا آزاد کشمیر میں حال ہی میں انتقال ہوا ہے، ان سے ہم نے فارسی پڑھی تھی، ان

کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، نئی نویلی دلہن گھر میں تھی کہ انہی دنوں میں قادیانیوں نے ایک بڑی کانفرنس کراچی میں منعقد کی، جہانگیر پارک اس زمانے میں کراچی کا مشہور باغ تھا، بڑے بڑے جلسے وہیں ہوتے تھے، جہانگیر پارک ہمارے گھر سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا اور مغرب کے بعد قادیانیوں کا جلسہ شروع ہونے والا تھا، تو ہمارے استاذ گھر پر تشریف لائے، حضرت والد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ والد صاحبؒ کے شاگرد تھے، اور اپنا کچھ زیور، کچھ نقدی، کچھ امانتیں اور ایک وصیت نامہ لکھ کر والد صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا کہ حضرت میں تو اب جا رہا ہوں جلسہ گاہ میں، یا تو اس جلسے کو روکنے میں کامیاب ہو جاؤں گا ورنہ شہید ہو جاؤں گا، یہ چیزیں آپ کے پاس امانت ہیں، وصیت نامے کے مطابق ان کو تقسیم فرما دیجئے، میری ایک بیوی ہے، کوئی بچہ نہیں ہے، میں شہید ہو جاؤں تو عدت کے بعد اسے وطن بھیجنے کا انتظام فرما دیجئے، وہ بندۂ خدا تو والد صاحب کے پاس امانت اور وصیت رکھوا کر چلے گئے، مجھے پتہ چلا تو میں اور میرے برادر بزرگوار جناب محمد ولی رازی صاحب اور میرے پھوپھی زاد بھائی جناب قمر عالم صاحب بھی جلسہ گاہ کو روانہ ہو گئے، راستے میں زبردست پہرے تھے، داڑھی والوں کو جلسے کے پاس تک نہیں جانے دے رہے تھے، میری داڑھی ابھی نکلنی شروع ہوئی تھی، بہرحال کسی نہ کسی طرح وہیں پہنچنے کا موقع مل گیا، وہ جلسہ گاہ ایک جیل سی بنی ہوئی تھی کیونکہ مسلمانوں نے اس جلسہ گاہ کا گھیراؤ کر رکھا تھا، کوئی قادیانی باہر نہیں نکل سکتا تھا، اندر جانے کے لئے فوجی پہرے تھے، جس کے ذریعہ قادیانی اندر جاتے تھے، لیکن انہوں نے لاؤڈ اسپیکر باہر درختوں پر لگائے ہوئے تھے ہم نے ان کھمبوں کو اکھاڑنا شروع کیا جن پر لاؤڈ اسپیکر لگے ہوئے تھے اور ان کی تاروں کو پتھر مار مار کر توڑنے لگے، آس پاس جو مسلمان جمع تھے ان کے سامنے کسی نے یہاں تقریر شروع کر دی، کسی نے وہاں، اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں

نے جلسے کو درہم برہم کر دیا، پولیس آ گئی، بھگدڑ مچ گئی، پولیس نے گولی چلائی، ہمیں گھیر کر لاٹھی چارج کیا جس میں کئی لاٹھیاں میرے بھی لگیں، مگر پھر الحمدللہ کراچی میں قادیانیوں کا کوئی قابل ذکر جلسہ نہ ہو سکا۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم

لیکن یہ آگ جو مسلمانوں کے دلوں میں لگی ہوئی تھی۔ بڑھتی چلی گئی، کیونکہ قادیانیوں کو بڑے بڑے عہدوں پر رکھا جا رہا تھا اور غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیا جا رہا تھا، یہاں تک کہ ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی وہ مشہور تحریک چلی، جس میں صرف لاہور میں دس ہزار مسلمانوں نے اپنی جانیں قربان کیں، پاکستان میں سب سے پہلے "مارشل لا" وہیں لگا تھا، پورے پاکستان میں ایک آگ تھی اور ہر مسلمان بے تاب تھا کہ اپنی جان ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور ختم نبوت کی حفاظت کے لیے قربان کر دے۔ جس دن تحریک شروع ہونے والی تھی وہ جمعہ کا دن تھا لیکن راتوں رات تحریک کے تمام علماء کو گرفتار کر لیا گیا، پورے پاکستان میں جس شہر میں جہاں کوئی عالم دین تحریک کا سرگرم نمائندہ تھا گرفتار کر لیا گیا اور پھر ان پر فوجی عدالتوں میں مقدمے چلے، فوج کا حکم یہ تھا کہ کوئی شخص گھر سے باہر نہ نکلے، گلیوں کے اندر بھی نکلنے کی اجازت نہیں تھی، فوج نے مورچے سنبھالے ہوئے تھے اور مشین گنیں نصب کر رکھی تھیں اور فوج کو یہ حکم تھا کہ جس کو باہر دیکھو گولی مار دو، بکتر بند گاڑیوں میں فوجی جوان اپنی مشین گنیں تانے ہوئے لاہور کی سڑکوں پر گشت کر رہے تھے۔ میری بہن کا اور میرے بڑے بھائی صاحب کا گھر لاہور میں ہے۔ وہ اپنے گھروں میں سے یہ سب نظارے دیکھتے تھے، حکم یہ تھا کہ کوئی شخص باہر نہ نکلے، لیکن اچانک ایک گلی سے شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں کا ایک دستہ نمودار ہوتا اور "ختم نبوت زندہ باد" کے نعرے لگاتا ہوا آگے بڑھتا اور اپنے کھلے ہوئے سینوں کی طرف اشارہ کر کے

پیچھے کھولی چلاں مارو، یہاں مارو، فوج جس میں قادیانی بھی گھسے ہوئے تھے وہ مشین گنوں سے تڑ تڑ گولیاں چلاتی، لیکن جلوس کا کوئی آدمی پیچھے نہیں بھاگتا تھا، وہیں گر کر شہید ہو جاتا تھا۔ ابھی یہ خون ریزی ختم نہ ہوتی کہ دوسری گلی سے ایسا ہی جلوس نکلتا، پھر تیسری سے، پھر چوتھی سے، پھر پانچویں سے۔ نقشوں پر خون جاری رہا، یہاں تک کہ صرف لاہور کے اندر دس ہزار مسلمانوں نے شہادت کا جام نوش کیا۔

[illegible]

مجاہدانہ قربانیوں کے ثمرات

وقتی طور پر وہ تحریک بظاہر ناکام ہوگئی، کیونکہ بظاہر اس وقت حکومت نے یہ مطالبہ نہ مانا اور قادیانیوں کو حکومت نے غیر مسلم اقلیت ابھی قرار نہیں دیا، اور مسلمانوں کا کوئی مطالبہ نہ مانا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے راستے میں دی جانے والی قربانی کبھی رائیگاں نہیں جاتی اس کے اثرات کبھی فوراً سامنے آ جاتے ہیں، کبھی دیر لگتی ہے، کبھی وہیں ظاہر ہو جاتے ہیں، کبھی دوسری جگہ، آپ نے دیکھا؟ غزوۂ خندق میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ خندق کھودنے میں مشغول تھے اور چودہ دن تک یہ سلسلہ جاری رہا، وہ خندق ساڑھے تین میل میں کھودی ہوئی تھی، کھدائی کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ میں ان آدمیوں کی جماعت میں تقسیم کرکے ہر جماعت کو دس دس گز خندق کھودنے کا کام دیا ہوا تھا، جس جماعت میں حضرت سلمان فارسیؓ تھے (انہی کی رائے پر انہی کے مشورہ سے اس خندق کے کھودنے کا فیصلہ ہوا تھا) ان کی کھدائی میں ایک بہت سخت چٹان آگئی، صحابہ کرامؓ سے وہ ٹوٹ نہیں رہی تھی، بڑی ہی کوشش کی، لیکن وہ نہیں ٹوٹ سکی۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ٹھہرو، میں خود اترتا ہوں، بھوک کی وجہ سے

آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا، ہم نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی، آپ نے دعا پڑھ کر کدال سے اس چٹان پر ضرب لگائی تو اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔

آپ نے فرمایا:

"اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کر دی گئیں، اللہ کی قسم شام کے سرخ محلات اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار دعا پڑھ کر کدال ماری تو چٹان کا دوسرا تہائی حصہ ٹوٹ کر گر پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دے دی گئی ہیں، اللہ کی قسم مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا پڑھ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں عطا کر دی گئیں، اللہ کی قسم، میں صنعا (شہر) کے دروازوں کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

دیکھئے! کھدائی مدینہ منورہ میں ہو رہی تھی، لیکن فیصلہ ملک شام کی فتح کا

ہو۔ بالآخر ان کی ضرب یہاں پڑ رہی تھی، خونریزی، زبان درازی اور دشمن کی فتوحات بن رہی تھی۔ فوری طور پر اگرچہ ان کی محنت بیکار جاتی نظر آ رہی تھی لیکن اس کے نتائج اپنی مرتب ہو رہے تھے اور ان کی جو قربانی دی جا رہی تھی اس کے ثمرات کئی سال بعد مرتب ہو رہے تھے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوۃ

اسی طرح ۱۹۵۳ء کے شہیدوں کا لہو کئی سال بعد رنگ لایا۔ ۱۹۷۴ء میں یہ تحریک دوبارہ اٹھی، اس مرتبہ اس کی قیادت حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری کے شاگرد رشید حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری کے ہاتھ میں تھی، اللہ تعالیٰ نے اس بار فتح مبین عطا فرمائی، پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا، اور اس مقصد کے لئے پاکستان کے آئین میں ترمیم کی گئی، لیکن اس مقصد کی تکمیل کے لئے کچھ قانونی اور انتظامی اقدامات ضروری تھے تاکہ قادیانی خود کو مسلمان کہہ کر لوگوں کو دھوکہ نہ دے سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان قانونی اور انتظامی اقدامات کی سعادت صدر پاکستان شہید ضیاء الحق مرحوم کو عطا فرمائی، مسلمانوں اور علماء کرام کے مطالبے کے مطابق انہوں نے آرڈیننس نافذ کیا، جس کے بعد الحمدللہ پاکستان میں اب قادیانیت کا سکہ ختم ہو گیا ہے، اب وہاں کسی قادیانی کو جرأت نہیں ہے کہ وہ اسلام کے نام پر قادیانیت کا فریب دے سکے، یا اسلامی اصطلاحات کو قادیانیت کے لئے استعمال کرے، یا اپنے آپ کو قادیانی بھی کہے مسلمان بھی کہے، جیسا کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ نے ابھی آپ کو وہ آرڈیننس پڑھ کر سنایا ہے۔

مسلمانانِ برطانیہ کی ذمہ داری

لیکن اے مسلمانانِ برطانیہ! اب آزمائش آپ کے کندھوں پر آ گئی ہے،

ہمارے مسلمانوں کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے کہ وہ ان نقش قدم پر چلیں جو پاکستان کے مسلمانوں نے آپ حضرات کے لئے تاریخ پر ثبت کر دیئے ہیں۔ اپنے بچوں اور اپنی نسلوں کو اس فتنے سے بچانے کے لئے جو اقدامات ہو سکتے ہیں کئے جائیں، اپنے تعلیمی اداروں میں اس فتنہ سے ہمارے طلباء اور طالبات کو باخبر کیا جائے اور خاص طور پر ہمارے نوجوانوں کو پھنسانے کے لئے ان کی لڑکیوں کا حربہ بڑا خطرناک ہے، اس پر خصوصی نظر رکھی جائے، اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کا حامی و ناصر ہو، میں اپنی گزارشات اسی دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے یورپ اور امریکہ کے مسلمانوں کو اس خطرناک فتنے سے محفوظ رکھے، آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین